عرضِ متاعِ عقل (شعری مجموعہ)

رضا اشک

مرتبین

ڈاکٹر عبدالقادر

کائنات آفرین روحی

عرضِ متاعِ عقل

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے
(غالبؔ)

عرضِ متاعِ عقل

(شعری مجموعہ)

شاعر

رضا اشک

پیش خدمت ہے کتب خانہ گروپ کی طرف سے
ایک اور کتاب ۔
پیش نظر کتاب فیس بک گروپ کتب خانہ میں
بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے
https://www.facebook.com/groups
/1144796425720955/?ref=share
میر ظہیر عباس روستمانی
0307-2128068
@Stranger
مرتبین

ڈاکٹر عبدالقادر

کائنات آفرین روحی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

© جملہ حقوق بحق مرتبین محفوظ

ARZ-E-MATA-E-AQAL
(A Collection of Ghazals & Nazms)

by
Raza Ashk

Edited by
Dr. Abdul Quadir
Kainat Afreen Roohi

Year of Edition 2015
ISBN 978-93-5073-658-6
₹ 250/-

نام کتاب	:	عرضِ متاعِ عقل (شعری مجموعہ)
شاعر	:	رضا اشک
مرتبین وناشر	:	ڈاکٹر عبدالقادر / کائنات آفرین روحی
کمپوزنگ	:	پرنٹ اینڈ کارڈ، مظفر پور
اشاعت	:	۲۰۱۵
قیمت	:	۲۵۰ روپے
تعداد	:	۵۰۰
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، اردو بازار، دہلی۔۶
(۲) رائی بک ڈپو، الہ آباد، یوپی
(۳) بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ۔۴، بہار
(۴) کتابستان، مظفر پور، بہار
(۵) بک زون، بدری مارکیٹ، پکی سرائے، مظفر پور، بہار

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

Govt. Urdu Library
13240

انتساب

جگر گوشۂ رضا اشکؔ

محترمہ گوہر جہاں

و

فرزند نسبتی

زین الحق خاں

اور

نواسۂ رضا اشکؔ

معین الحق خاں عرف سرفراز خاں

کی

سعیِ ثمر آور

کے نام

مشتملات

بابِ نظم

قطعات

رضا اشک: ایک مقصدیت پسند شاعر

کاملؔ دھرم پوری اور مائلؔ دھرم پوری کی سرزمین سمستی پور ضلع کلاسیکی عہد سے ہی دنیائے ادب میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہا ہے مگر زوردار احساس غالبؔ کے ہم عصر کاملؔ دھرم پوری نے کرایا۔ ان کی وراثت کو تحفظ و بقا عطا کرنے والوں میں ابتدائی نام مائلؔ دھرم پوری کا ہے۔ فی الوقت سمستی پور کے دو معمر شعرا قیصرؔ سمستی پور (اب قیصرؔ صدیقی) اور رضا اشکؔ سمستی پوری علمِ ادب اٹھائے ہوئے ہیں اور زائد از اسّی بہاریں دیکھنے کے باوجود قلم و قرطاس دستِ ہنر سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔

رضا اشکؔ نے ترقی پسندی کے غلبہ کے دوران آنکھیں کھولیں۔ جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ترقی پسندی کا زور گھٹنے لگا تھا اور جدیدیت پسندی اپنے پر سحر کو پھیلا رہی تھی۔ نوعمری کے دوران ہی ترقی پسندی کا زور و جوش ان کی سماعت سے ٹکرانے لگا تھا۔ استحصال کے خلاف آواز مسلسل بلند ہوتی جارہی تھی۔ نامساوات کے قلع قمع کے لئے ادبی تحریک چلائی جارہی تھی۔ مخالفت کی یہ آوازیں ان کی سماعت میں محفوظ ہوتی جارہی تھیں اور بغاوت کی تحریک ان کے مشاہدے کا ایک بڑا حصہ بن چکی تھی۔ مشاہدہ و تجربہ میں جو کسر رہ گئی تھی، اسے ریلوے کی ملازمت نے پوری کردی کیوں کہ دنیا اگر ایک بڑا اسٹیج ہے تو ریلوے پلیٹ فارم اس کی ایک قاش کی حیثیت رکھتا ہے جہاں زندگی کے ہزار ہا زاویے ایک ہی دن میں نمایاں ہوجاتے ہیں۔ حیوانیت کی کریہہ صورت اور انسان کی معصومیت، یہ دونوں انسانیت کے دو متضاد رخ ہیں۔ جواہر لال نہرو نے کہا تھا کہ شدید بے اطمینانی اور استحصال انقلاب کو برپا کرتے ہیں۔ عام ہندوستانی اسی کیفیت سے دوچار تھے۔ لہٰذا سیاست اور ادب دونوں پر سوشلزم کا نظریہ حاوی ہوگیا۔ رضا اشکؔ پر ان دونوں کے اثرات گہرے طور پر مرتب ہوئے اور وہ جوش و زور آمیز

خطابت کے معتقد بن گئے۔ وہ راست گفتنی پر ایسے ایمان لائے کہ زمانے اور حالات کے بدلنے کے باوجود اپنے پیرایۂ اظہار سے ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ حتیٰ کہ لب گور ہونے کے باوصف وہ اپنے ایمان پر قائم ہیں۔

رضا اشک کی شاعری سرتا سر احتجاجی ہے۔ وہ سماجی نظام سے نالاں ہیں اور انسانیت سوزی سے ہراساں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لہجے میں شعلگی اور کرختگی ہے۔ وہ سفاک حقیقت نگار ہیں اور حقیقت نگاری کے اظہار میں فن سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ ان کی نظر میں شاعری فکر وخیال کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ شاید وہ شاعری کو بذاتِ خود فن مانتے ہیں، اس لئے وہ اضافی فن کاری سے پہلوتہی کر جاتے ہیں۔

رضا اشک کی شاعری زائد از پچاس سالوں پر محیط ہے۔ ''عرضِ متاعِ عقل'' سے قبل ان کے دو شعری مجموعے منظرِ عام پر آکر خراجِ داد وتحسین وصول کر چکے ہیں۔ ''پتھروں کی رہ گزر'' اور ''شیشوں کا سفر'' کے حوالے سے ماہنامہ ''سہیل'' گیا، کا رضا اشک نمبر بھی شائع ہو چکا ہے۔ ترقی پسند مشاہیر کے مکتوبات ان کی شاعری پر خاص روشنی ڈالتے ہیں مگر فی الوقت میرے پیشِ نظر ''عرضِ متاعِ عقل'' ہے۔

مذکورہ شعری مجموعہ کا آغاز ایک حمد اور ایک نعت سے ادبی روایت کے مطابق ہوتا ہے۔ بابِ غزل کے تحت بتیس غزلیں اور بابِ نظم کے تابع ۱۰۰ نظمیں ہیں۔ ان کے علاوہ چند قطعات و متفرقات ہیں۔ حمد کا پہلا بند فوری طور پر توجہ مرتکز کر لیتا ہے۔

میں ہوں شاہد ہے تو میرا مشہود
اے خدا تو ہے ہر جگہ موجود
از کراں تا کراں ہے ذات تری
میں ہوں محدود، تو ہے لا محدود

نعتیہ کلام کے اس شعر پر بھی قاری کی آنکھیں جم جاتی ہیں۔

جگنو ہوں مگر رات کی ظلمت سے لڑا ہوں
تھوڑی سی ضیا دو مرے سرکار محمدؐ

رضا اشک فطرتاً نظم کے شاعر ہیں، اس لئے نظمیہ شاعری ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ غزل کی نرمی، سوز و گداز اور سبک روی ان کی جبلّت کو راس نہیں آتی ہے۔ وہ اشاروں، کنایوں اور علامتوں کا سہارا نہیں لیتے۔ گول گول باتیں کرنا انہیں پسند نہیں ہے۔ لہٰذا وہ غزلیں بھی کہتے ہیں تو نظم نما کہتے ہیں۔ ان کی بیش تر غزلیں ایسی ہیں جن میں عنوانات لگا دیے جائیں تو وہ نظم بن جائیں گی۔ ان کا خطابانہ لہجہ اور اعلانیہ انداز غزلوں کو بھی نظم یا نظم نما بنا دیتا ہے۔ مثلاً اگر پہلی غزل کو یہ عنوان دے دیا جائے ''.. نہ ہونے دیں گے'' تو یہ غزل بہ آسانی نظم بن جائے گی۔ مگر دوسری غزل کی ابتدا تو نظم نما ہے، تاہم چند اشعار غزل کی کیفیات سے سرشار ہیں۔ مطلع یہ ہے:

سلام مندر و مسجد کو اور شوالوں کو
نئی صدی کے سلگتے ہوئے سوالوں کو

لیکن یہ اشعار غزل کے کیف و کم سے معمور ہیں:

تلاشِ منزلِ جاناں میں عمر گزری ہے
کسے دکھائیں گے پائے جنوں کے چھالوں کو
جہاں میں پھر سے نیا انقلاب آئے گا
ابھی خبر یہ نہیں تخت و تاج والوں کو

رضا اشک کی فکر یک رخی اور واضح ہے۔ ان کے یہاں خیال کبھی گنجلک یا مبہم نہیں بنتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مخاطب عمومی طور سے دبے کچلے طبقے کے لوگ ہیں۔ اس لئے وہ راست گفتاری کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے تجربات و مشاہدات کو دبیز پردوں میں ملفوف نہیں کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ خواص پسندی کی بجائے عوام پسندی انہیں محبوب ہے۔ وہ شعر کو ''پردہ سخن'' کا نہیں بناتے بلکہ اظہار کا وسیلہ بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں کے جن اشعار میں غزل کے اوصاف اگر بھرپور طور سے بھی در آئے ہیں تو بھی شعر فہمی میں خلل انداز نہیں ہوتے۔

یہ غزل پیشِ نظر رکھیں، جس کا مطلع ہے:

کوئی یہاں نہ شاہ، نہ کوئی غلام ہے
لکھا ہر ایک دل پہ خدا کا کلام ہے

اس غزل کے شعروں کے مرکزی موضوعات مساوات، تضاد، منہ دیکھی مرحمت، جسم و روح کا اتصال، فنا و بقا ہیں۔ تاہم یہ کہنے میں عار نہیں کہ موصوف نے غزل کے دیرینہ موضوعات کو بھی اپنے طور پر برتا ہے لیکن یہ تسلیم کرنے میں بھی کوئی عذر نہیں کہ وہ خود کو تواتر و تکرار سے محفوظ نہیں رکھ سکے ہیں۔

رضا اشک کی غزلوں اور نظموں میں ہندی لفظیات اور ہندی صوتیات کی بھی کثرت ہے۔ دنیا کے تمام معروف ادیب و شاعر، سیاست داں، قدیم بادشاہ حتیٰ کہ فکشن کے کردار بھی ان کی نظموں میں بالعموم اور غزل میں بالخصوص جابجا جگہ پا گئے ہیں۔ اسمائی شاعری کی ایسی مثال شاید دنیا کی کسی شاعری میں نہیں ملے گی۔ اردو میں تو ایسی شاعری یقینی طور سے عدیم المثال ہے۔ اس کاوش سے ان کی انفرادی شناخت تو ضرور قایم ہوگئی ہے مگر اس سے ان کے فن کو ناقابلِ تلافی نقصان بھی پہنچا ہے۔ البتہ خال خال غزلیہ اشعار میں فن کی جو حسین آمیزش ہوئی ہے، اس نے رضا اشک کی لاج رکھ لی ہے۔ چند مثالیں دیکھیں:

میں نے تو غائبانہ شکایت نہ کی کبھی
شکوہ زباں پہ آ ہی گیا، آپ جب ملے

تم آسماں کے چاند ہو، تم سے میں کیا کہوں
اس خاکسار کا تو زمیں پر قیام ہے

میں نے سنا ہے، وہ مرے فن سے ہے بے خبر
لکھتا رہا ہوں آج تلک جس کے واسطے

میرے نظامِ فکر کو نسبت ہے آپ سے
میں اشک کیوں لکھوں بھلا، جس تس کے واسطے

پڑھ لو مجھے جو چشمِ بصیرت نگاہ ہو
لکھا ہوں لوحِ وقت پہ تحریر کی طرح

چھٹے گا کب اندھیرا، سحر ہوگی کب طلوع
خلاقِ کائنات بتا، کتنی رات ہے

آج تک میں نے کسی کا بھی قصیدہ نہ لکھا
میں کروں ہجو! بھلا میری جسارت کیا ہے
موت کی خامشی تھی، کُن کی صدا سے پہلے
زندگی کچھ نہ تھی دنیا میں خدا سے پہلے
اس قدر مفہوم واضح ہے مری تحریر کا
فق ہوا جاتا ہے چہرہ کاتبِ تقدیر کا

رضا اشکؔ کی غزلوں کے منتخب مذکورہ اشعار اس کے ضامن ہیں کہ غزلوں کی روایت پر بھی ان کی نظر ہے مگر وہ خیال ریزی میں ایسے محو و مستغرق ہو جاتے ہیں کہ فن سے عموماً یکسر بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ ان کے کلام کو دیکھ کر یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ لکھتے وقت انہیں یہ ہوش ہی نہیں رہتا کہ وہ غزل لکھ رہے ہیں کہ نظم۔ غالباً وہ لکھنے کے بعد اپنے کلام کو نظم و غزل میں زمرہ بند کرتے ہیں۔ وحی کی صورت خیال کا نزول ہوتا ہے اور وہ چِٹ پُرزے پر بے محابہ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ ان پر اردو کی شعری روایت کے ساتھ ساتھ ہندی شاعری کی پرمپرا کے بھی گہرے اثرات ہیں۔ اس لئے دونوں شاعری کی روایات اکثر خلط ملط ہو جاتی ہیں۔ ان کی شاعری اگر دیوناگری رسم الخط میں شائع کی جائے تو زیادہ پذیرائی حاصل کرے گی۔

جیسا کہ قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ رضا اشکؔ جبلی طور سے نظم کے شاعر ہیں اور وہ نرے ترقی پسند ہیں۔ ان کی نظم نگاری بنیادی طور سے تاثراتی ہے۔ جیسے ہی کوئی تاثر ذہن و فکر کے دریچے پر دستک دیتا ہے، اسے وہ معاشرتی پیکر میں ڈھال دیتے ہیں۔ کبھی لکھتے لکھتے تھم جاتے ہیں تو کبھی مکمل طور سے لکھ کر ہی دم لیتے ہیں۔ اس لئے جا بجا ان کی نظموں میں سطحیت عود کر آئی ہے۔ ان میں وہ فکر انگیزی اور گہرائی پیدا نہیں ہو پائی ہے، جس کی نظم متقاضی ہے۔

رضا اشکؔ لمحوں کے شاعر ہیں۔ کسی کتاب کی اشاعت ہو تو ان کا قلم دوڑ پڑتا ہے۔ کوئی منظر، کوئی واقعہ، کوئی تقریب، کوئی ادیب یا شاعر، کوئی کردار، کوئی مقام دیکھتے ہی ان سے مرتب شدہ اثرات انہیں قلم بند کرنے کے لئے مضطرب کر دیتے ہیں۔ ''بند آنکھوں کا سفر''، ''احمد فراز سے''، ''ایک عورت ایسی تھی''، ''امراؤ جان دا''، ''الفنا کی ایک شام''، ''کلیم قیصر کے نام''،

''قلوپطرہ''، ''غالب کے نگروالے'' وغیرہ اسی قبیل کی نظمیں ہیں۔ ان کے یہاں ایسی شخصی اور کرداری نظموں کی کثرت ہے۔

جابجا سنجیدہ اور پُر مغز نظمیں بھی قاری کی توجہ مرتکز کرتی ہیں۔ کہیں کہیں فلسفہ بھی زیر بحث آگیا ہے۔ ''آواگون''، ''درد''، ''لوحِ تربت''، روحِ رواں''، ''خدانہیں بھگوان کی جے ہو''، ''زندگی''، ''تضاد''، ''میں جیون ہوں'' جیسی نظمیں فکر انگیزی کی دعوت دیتی ہیں۔ رضا اشک کی زیادہ تر نظمیں غزل کی ہیئت میں ہیں۔ کچھ نظمیں مربع بند اور چند مخمس بند پر مشتمل ہیں۔ ایک آدھ نظم ترجیع بند بھی ہے۔ اس طرح رضا اشک نے ہیئتی تجربے کم ہی کیے ہیں۔ انفرادی نوعیت کی یہ نظمیں اردو کی نظمیہ روایت سے بالکل الگ ہیں اور اردو رسم الخط میں ہندی شاعری کے ذائقے کا احساس کراتی ہیں۔

چند قطعات بھی مجموعہ کے آخر میں ترتیب دیے گئے ہیں جن میں سے زیادہ تر وہ قطعات ہیں جو نظم یا غزل کی تکمیل کا باعث نہیں بنے ہیں۔ ممکن ہے کہ وجہِ تحریک دیرپا ثابت نہ ہوئی ہو اور وہ قطعات کی صورت اختیار کر گئی ہو۔ ویسے مصرعوں کا معنوی ارتباط جا بجا قطعہ نگاری کی بھی غمازی کرتا ہے۔ معدودے چند قطعات فنی رعنائیوں سے بھی مملو نظر آتے ہیں۔

آخر میں ہم جملہ اراکین کا درجہ بہ درجہ شکریہ ادا کرتے ہوئے استاد شاعر صبا نقوی اور نئی نسل کے نمائندہ نقاد اور سہ ماہی رسالہ 'اصنافِ ادب' کے مدیر ڈاکٹر حسن رضا صاحبان کے تہِ دل سے ممنون ہیں کہ انہوں نے بالترتیب اپنے مشوروں اور تبصرہ و تاثر سے نوازا۔ اہالیانِ انتساب کو ہدیۂ تشکر نہ پیش کرنا اخلاقی جرم ہوگا۔

مرتبین

ڈاکٹر عبدالقادر

کائنات آفرین روحی

حمد

میں ہوں شاہد ہے تُو میرا مشہود
اے خدا تُو ہے ہر جگہ مَوجُود
اَز کراں تا گراں ہے ذات تری
میں ہوں محدُود تُو ہے لا مَحدُود

یہ زمیں اور یہ کائنات تری
بَرزخ و موت اور حیات تری
سُومنات و مَنات و لات ترے
کربلا تیری ہے، فرات تری

تُجھ سے ہی کھیت پانی ہے
تُجھ سے کونین کی نشانی ہے
بَانیٔ خاک وباد وآتش و آب
بطِ مئے تُجھ سے اَرغوانی ہے

جسم وجاں اور یہ پیرہن تیرا
گُورکن، مرقد وکفن تیرا
وَصف ہے تیرا خالقِ کونین
مُعترف ہے رضاؔ حَسن تیرا

☆☆☆

نعت

ہوں سب سے بڑا دیکھو گنہگار محمدؐ
بخشش کا ہوں میں تجھ سے طلبگار محمدؐ

جگنو ہوں مگر رات کی ظلمت سے لڑا ہوں
تھوڑی سی ضیا دو مرے سرکار محمدؐ

جس عہد میں فنکار کو روٹی نہیں ملتی
اُس عہد کا میں بھی ہوں قلمکار محمدؐ

یُوسف ہوں، شناسائے زلیخائے سخن ہوں
مِل جائے مجھے مصر کا بازار محمدؐ

مجھ کو ہو عطا سرمد و منصور کا جذبہ
ہوں کب سے کھڑا دیکھو سردار محمدؐ

خوابوں سا بسا آنکھوں میں ہے گنبدِ خضرا
ہاں اب تو کرا دو مجھے دیدار محمدؐ

بازو کو ملے، بازوئے خیبر کی قوت
ہونٹوں کو ملے نرمئ گفتار محمدؐ

☆☆☆

غزل

ہم ترے حسن کو نیلام نہ ہونے دیں گے
تیرا جلوہ ہے، سرِ عام نہ ہونے دیں گے

جس سے مزدور کی، دہقاں کی ہو محنت پامال
ایسا دنیا میں کوئی کام نہ ہونے دیں گے

تو مجھے حافظ و خیام نہ بننے دے گا
ہم تجھے میر کا ہم نام نہ ہونے دیں گے

گوتم و گاندھی کے اور نہرو کے نمواؤں کو
قیصر و زار کا پیغام نہ ہونے دیں گے

اے وطن تجھ کو سجائیں گے جناں کی صورت
ہم تجھے مقتلِ صدام نہ ہونے دیں گے

ہم کسی دور میں اشعارِ غزل کو اپنے
نذرِ بے دردیٔ ایام نہ ہونے دیں گے

رنگ اور نسل کی تفریق مٹانے کے لئے
رنگ اور نسل کو بدنام نہ ہونے دیں گے

تو نہالانِ وطن، نہرو و آزاد بنیں
ان کو سلطانہ و بہرام نہ ہونے دیں گے

اپنا یہ شہر ہے کشمیر کے گلشن کی طرح
ہم اِسے خطۂ آسام نہ ہونے دیں گے
اپنے قصبوں کی حفاظت ہے فریضہ اپنا
ہم کسی شہر کو چنگام نہ ہونے دیں گے
ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ خُدا خانوں کو
کبھی کا شانۂ اَصنام نہ ہونے دیں گے
ہم کو اسلام کی، قرآن کی عظمت کی قسم
مسجد اقصیٰ کو گمنام نہ ہونے دیں گے

☆☆☆

غزل

سلام مسجد و مندر کو اور شوالوں کو
نئی صدی کے سُلگتے ہُوئے سوالوں کو
اندھیری رات کا ہر چند میں مُسافر ہوں
مرا سلام نئے دور کے اُجالوں کو
مری کلائی کو بندِ رَسن مُبارک ہو
اَسیر کر نہ سکوگے مرے خیالوں کو
چٹانیں کیا کہ پہاڑوں کی بھی مجال نہیں
جو آج رُوکے سمندر کے اِن اُبالوں کو
تلاشِ منزلِ جاناں میں عُمر گُزری ہے
کِسے دکھائیں گے پائے جنوں کے چھالوں کو
جہاں میں پھر سے نیا انقلاب آئے گا
ابھی خبر یہ نہیں تخت و تاج والوں کو
کِسے پتہ کہ اِک امرت کی بُوند کی خاطرؔ
میں پی گیا ہوں بھرے زہر کے پیالوں کو

☆☆☆

غزل

کوئی یہاں نہ شاہ، نہ کوئی غُلام ہے
لکھا ہر ایک دل پہ خُدا کا کلام ہے
تُم آسماں کے چاند ہو تم سے میں کیا کہوں
اِس خاکسار کا تُو زمیں پر قیام ہے
میری ہی طرح بیٹھے ہیں سب لوگ تشنہ لب
مائل بہ لُطف ساقی، نہ گردش میں جام ہے
یہ چاند، یہ ستارے، یہ بِرجِیس و مُشتری
عزمِ سفر بلند ہُو تو ایک گام ہے
بے شک اُسی کے دم سے ہے گردش میں کائنات
یہ رُوح اور جسم کا جو انضمام ہے
میری ہی طرح فانی ہیں اِس جا تمام لوگ
آخر رہِ حیات میں کس کو دوام ہے

☆☆☆

غزل

اَعلیٰ مقام سب، سبھی عالی نَسَب ملے
شہرِ سخن میں مجھ کو سبھی با لقب ملے
غالبؔ، امیرؔ، میرؔ، اور اقبالؔ کی طرح
فیضؔ و فراقؔ و جوشؔ ور سردار سب ملے
میخانۂ حیات کی دُو رنگی پہ نثار
ساغر بکف کئی تُو کئی تشنہ لَب ملے
وُہ شَئے کہ جس کا صدیُوں میں ملنا مُحَال ہے
سب چاہتے ہیں لمحوں میں، وُہ بے طلَب ملے
میں نے تو غائبانہ شکایت نہ کی کبھی!
شکوہ زباں پہ آہی گیا آپ جب ملے

☆☆☆

غزل

کچھ اُس کے واسطے ہیں تو کچھ اِس کے واسطے
اشعار لکھ رہا ہوں میں، جس تِس کے واسطے

حُکّام اور عوام تَمرد آزما ہیں پھر
یہ آخری لڑائی ہے، کِس کِس کے واسطے

میں نے سُنا ہے، وہ مرے فن سے ہے بے خبر
لکھتا رہا ہوں آج تلک، جس کے واسطے

امرت کا اِک گلاس لئے بیٹھی ہے زندگی
سَر گرداں آدمی ہے مگر، وِس کے واسطے

زردارِ شہر کے لئے، جنّت ہے زندگی
دُشوارئ حیات ہے، مُفلس کے واسطے

میرے نظامِ فکر کو نِسبت ہے آپ سے
میں شک کیوں لکھوں بھلا، جس تِس کے واسطے

☆☆☆

غزل

میرا قلم ہے، خنجر و شمشیر کی طرح
چلتا ہے دشمنوں پہ فقط تیر کی طرح
میری غزل ہے، تاج کی تعمیر کی طرح
شاہِ جہاں کے خواب کی تعبیر کی طرح
ہے دل کی مملکت پہ مرے فن کی سلطنت
نورِ جہاں کے جیسی، جہانگیر کی طرح
اجداد کی ہوں اپنے میں میراث، ہم نشیں
رکھنا سنبھال کر مجھے جاگیر کی طرح
سازِ حیات ہوں، مجھے آہستہ چھیڑئے
میں ورنہ بج اٹھوں گا مزامیر کی طرح
میں لٹ چکی متاعِ نظیر و کبیر ہوں
غالب کی طرح ہوں، نہ تقی میر کی طرح
یارب مجھے جو بخشی ہے تو نے یہ زندگی
کام آئے حق کی راہ میں شبیر کی طرح
پڑھ لو مجھے جو چشمِ بصیرت نگاہ ہو
لکھا ہوں لوحِ وقت پہ تحریر کی طرح

☆☆☆

GOVT. URDU LIBRARY, PATNA

غزل

ملا میں اُس سے تُو وہ مجھ سے بھی لپٹ کے ملا
کسی حبیب سا سینے سے میرے سٹ کے ملا!

ہاں اُس کے ملنے کا انداز اتنا پیارا تھا
دیا تھی اُس میں کچھ ایسی کہ وہ سمٹ کے ملا

ادا میں اس کی رفاقت بھی تھی، رقابت بھی
مگر وہ بارہا مجھ سے پلٹ پلٹ کے ملا

اگرچہ کہنے کو وہ اِک عظیم ہستی تھا
مگر وہ ذات سے اپنی ذرا سا گھٹ کے ملا

پٹ پاٹ کے اُسے میں بھی دیکھتا ہی رہا
نقاب رُخ سے وہ اپنے اُلٹ اُلٹ کے ملا

وہ چرخِ گیتی کا اِک ماہتاب تھا لیکن
ہر ایک رسمِ مُلاقات سے وہ ہٹ کے ملا

☆☆☆

غزل

اے حُسنِ بے ثبات، بتا کتنی رات ہے
اے دُکھ بھری حیات، بتا کتنی رات ہے
کاٹے نہیں ہے کٹتی اندھیرے میں زندگی
اے صبحِ کائنات، بتا کتنی رات ہے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، مُجھ سے بات کر
ہاتھوں میں دے کے ہات، بتا کتنی رات ہے
پھیلے گا کب اندھیرا، سحر ہوگی کب طلوع
خلّاقِ کائنات، بتا کتنی رات ہے
صُورت نہیں یہاں کوئی راہِ فرار کی
ملتی نہیں نجات، بتا کتنی رات ہے
دیر و حرم کی شمعیں سبھی ہو گئیں خموش
کعبہ و سومنات، بتا کتنی رات ہے
جنگل کی کب سے چار دشائیں خموش ہیں
کچھ تو ہی شش جہات، بتا کتنی رات ہے
تھم تھم کے چل رہی ہے مری زندگی کی نبض
حُسنِ تجلّیات، بتا کتنی رات ہے

☆☆☆

غزل

بت نیا لہجہ، نیا آہنگ ہونا چاہیے
شاعری میں گلشنِ صد رنگ ہونا چاہیے
میر و غالب کی زمیں میں، فیض و ساحر کی طرح
شعر کہنے کا نیا اک ڈھنگ ہونا چاہیے
ہاتھ میں لوح و قلم، طبل و علم کے ساتھ ساتھ
ساغر و مینا، رباب و چنگ ہونا چاہیے
نو بہ نو لفظیں تراشوں، نو بہ نو معنی کے ساتھ
اِک نئی اُردو کی اب فرہنگ ہونا چاہیے
لِکھ چکے ہو تم بہت گنگ و جمن کی داستاں
اب بیاں کچھ قصۂ افرنگ ہونا چاہیے
زندگی جہدِ مسلسل، زندگی ہے اک جہاد
زندگی اک جنگ ہے تو جنگ ہونا چاہیے

☆☆☆

غزل

(نذرِ ناظم حکمت)

خاتم دل کے نگینوں کو درخشاں رکھو
ہمہ دم یادِ گلستاں، پسِ زنداں رکھو

دیکھ لو غول کدھر جاتا ہے پروانوں کا
روئے تاباں سے پرے، شمعِ فروزاں رکھو

رک نہیں سکتا ہے اس سے مرا بے باک قلم
لاکھ سینے پہ مرے خنجرِ عریاں رکھو

ہوسِ گل ہے تو گلشن کی اٹھو سیر کرو
کس لئے سر پہ بھلا، خاکِ بیاباں رکھو

کوئی غم ہو، کوئی عالم ہو، کوئی موسم ہو
اپنے ہونٹوں کے تبسم کو نمایاں رکھو

رات میں نیند نہ آئے تو بس اک کام کرو
دل کے آئینے میں، عکسِ رخِ جاناں رکھو

اک کرن کا ہی اجالا سہی تاریکی میں
اک دیا تم بھی پئے جشنِ چراغاں رکھو

☆☆☆

غزل

تُم کو بکنگھم کا کیا کوئی فسانہ یاد ہے
مجھ کو تُو اقبالؔ کا قومی ترانہ یاد ہے

پُوچھئے آثارِ دورِ مُغلیہ سے پُوچھئے
وہ بھگتؔ، اشفاقؔ کا سُولی پہ جانا یاد ہے

اَے امیرِ سلطنت ، اے تاجدارِ مُغلیہ
آپ کو رنگون کا وہ جیل خانہ یاد ہے

اے مُہاجر پاک کے، اے ہند کے شرنارتھیو!
کیا تمھیں بن باس وہجرت کا زمانہ یاد ہے

تُم کو اے خُونی دَرندو! اَے فرنگی بُزدلو!
بھاگتی اِک بھیڑ پہ گولی چلانا یاد ہے

اُن کو تُم بم سے اُڑا دو، اے مُحبّانِ وطن
دُشمنوں کا تُم کو وہ فوجی ٹھکانہ یاد ہے

☆☆☆

غزل

مجھ کو انعام کی، اکرام کی حاجت کیا ہے
مایۂ فکر میّسر ہے تو دولت کیا ہے
ویسے بھی پہلے کبھی زر کا طلبگار نہ تھا
میری نظروں میں یہ زرکار عمارت کیا ہے
آج تک میں نے کسی کا بھی قصیدہ نہ لکھا
میں کروں ہجو! بھلا میری جسارت کیا ہے
ہند اور پاک کی سرحد پہ کھلیں امن کے پھول
اس سے بڑھ کر کسی فنکار کی حسرت کیا ہے
منڈیاں غلّوں کی ہیں، کپڑوں کی دوکانیں ہیں
ایسے بازار میں، شاعر کی ضرورت کیا ہے
روضۂ اردو میں جلتا ہے سیاست کا چراغ
یہ فصاحت، یہ بلاغت، یہ عبارت کیا ہے

☆☆☆

غزل

کھیت باقی ہے، نہ کھلیان، ذرا سوچو تو
کِس مُصیبت میں دہقان، ذرا سوچو تو
جِس نے کل آگ لگائی تھی مری بَستی میں
تھا وہ ہندو کہ مُسلمان، ذرا سوچو تو
اَسلحہ سازی پہ آمادہ ہوئی کیوں دُنیا
کیوں ہُوا جنگ کا اعلان، ذرا سوچو تو
آخر انسان کی انسان سے نفرت کب تک
ہے کہاں وید اور قرآن، ذرا سوچو تو
شاعری ہوگئی محدُود فقط ٹی۔وی تک
کیوں لکھے اب کوئی دیوان، ذرا سوچو تو
رحل پر خالی ہے جُزدان خُدا خیر کرے
طاق پر رکھا ہے قرآن، ذرا سوچو تو
مِٹ گئے کس طرح بغداد کے تابندہ نقُوش
لُٹ گیا کِس طرح ایران، ذرا سوچو تو

☆☆☆

غزل

موت کی خامشی تھی، کُن کی صدا سے پہلے
زندگی کچھ نہ تھی دُنیا میں خُدا سے پہلے

دہر میں پھر سے ہُوا آدم و حوّا کا وجُود
رنگ و بُو، غنچہ و گُل، آب و ہوا سے پہلے

ہر طرف مصر کے بازار میں سنّاٹا تھا
عشقِ یُوسف میں زلیخا کی ادا سے پہلے

یا خُدا! دیکھئے قدرت کا ہے یہ کیسا کرم
روشنی آتی ہے کمرے میں ہوا سے پہلے

دلِ بیمارِ محبت کو یہ معلوم نہیں
کچھ دوا کی بھی ضرورت ہے، دُعا سے پہلے

عارضِ حُسن پہ ٹکتی نہیں جب چشمِ ہوس
کیوں ردا سر سے سرکتی ہے حیا سے پہلے

☆☆☆

غزل

ہوگئی دیر بہت، گھر کی طرف لَوٹ چلو
حلقۂ زُلفِ مُعنبر کی طرف لَوٹ چلو

ٹائیگر ہل کی بُلاتی ہیں فضائیں تم کو
ست رنگوں کے سمُندر کی طرف لَوٹ چلو

کیوں کھڑے ہو بھلا تم دیر سے دروازے پہ
مُنتظر ہے کوئی، اندر کی طرف لوٹ چلو

کیفے کے فرغل و کمبل کو یہیں رہنے دو
خلوت و چادر و بستر کی طرف لُوٹ چلو

اب مرے شہر میں اِک موت کا سنّاٹا ہے
اُٹھو پھر شہرِ سُخنور کی طرف لَوٹ چلو

☆☆☆

غزل

ساتھی تُم نے گیت سُنایا، تاج محل کے بارے میں
میں نے نغمے بُن ڈالے، دہقان کے ہَل کے بارے میں
راج محل میں جو کہ چھنکی، چکلوں میں نیلام ہوئی
تُم نے آخر کیا سوچا ہے، اُس پائل کے بارے میں
جب تک فصلیں لہرائیں گی، یہ دھرتی یک جائے گی
مجھ کو سمجھانے آئے ہو، کیا ڈنکل کے بارے میں
کرشن کے فن کو جو ٹھکرائے، پریم کے ناول کو جھٹلائے
مجھ سے تم مت بات کرو، اُس شیو سنگل کے بارے میں
ہیروشیما، ناگاساکی، پل میں جل کر راکھ ہوئے
تم نے کیا سوچا سمجھا ہے، اُس اِک پل کے بارے میں
جذب ہے اِک اک سنگ میں اِس کے، معماروں کے دل کا لہُو
کیا کہتا کل ایک مؤرّخ، تاج محل کے بارے میں
جس نے نہ کوئی جُرم کیا ہو، پہلا پتھر وہ مارے
سر پر میں الزام لُوں کیوں، لکھ کر چمبل کے بارے میں
ایک بدن، اِک تاج محل ہے، حُسنِ اجنتا کا یہ بدل ہے
میری ایسی ایک غزل ہے، کھِلتے کنول کے بارے میں

شہر نگر ویران ہوا ہے، فرد کا بھی نقصان ہُوا ہے
میں نے کیا کچھ سُن رکھا ہے جنگ وجدل کے بارے میں
بُول اَے میرے دل کے لہُو، بتلا اَے میرے زخمِ جگر
ناقدِ فن اب کیا کہتے ہیں، میری غزل کے بارے میں
رم وبیئر، وِہسکی پیتے تھے، کیف ومستی میں جیتے تھے
مجھ کو کُچھ معلوم نہیں تھا، اَلکُوہل کے بارے میں
اَیٹم بم برسانے والو! دھرتی کو ہتھیانے والُو!
تم کو کُچھ معلوم نہیں، برٹرینڈ رسَل کے بارے میں

☆☆☆

غزل

اِس قدر مفہوم وَاضح ہے مری تحریر کا
فق ہوا جاتا ہے چہرہ کا تبِ تقدیر کا

ایک میں تیشہ ہے اور اِک ہاتھ میں جامِ شراب
غالباً یہ دُوسرا رُخ ہے مِری تصویر کا

بات جا پہنچی زمیں سے تا فلک مثلِ غبار
جابہ جا چرچا ہُوا اتنا مِری تحریر کا

میری ہر تخلیق میں ہے، اِک نویدِ انقلاب
میری ہر تخریب میں، جذبہ ہے .ک تعمیر کا

کیا عجب ہے پھر سے دُونوں ملک ہو جائیں تباہ
مسئلہ سُلجھا نہیں اب بھی اگر کشمیر کا

☆☆☆

غزل

ایک دردِ مشترک تھا کل جو دیواروں کے بیچ
اب سمٹ کر آ گیا ہے صرف تلواروں کے بیچ
میری وہ غزلیں ہی ہیں مجھ سے کہ جو منسوب ہیں
میں نے جو لکھی ہیں پھولوں اور انگاروں کے بیچ
اِک یہاں مسجد گری، اور اِک وہاں مندر گرا
یہ خبر ہر روز پڑھتا ہوں میں اخباروں کے بیچ
گونجتی ہے ہر طرف زخمی پرندوں کی صدا
سلسلہ در سلسلہ، بے رحم صیّادوں کے بیچ
دھرتی تو دھرتی ہی تھی، آکاش بٹ کر رہ گیا
ظالموں اور جابروں، جبّاروں، قہّاروں کے بیچ
دل کو دل سے جوڑتی تھی جو کہ سرحد کی طرح
مملکت ایسی نہیں کوئی، جہاں داروں کے بیچ
ناخدا کوئی نہیں، بس اِک خدا کا ہاتھ ہے
موجِ طوفانِ بلا رقصاں ہے پتواروں کے بیچ

☆☆☆

غزل

یہ دار کی غزلیں ہیں، یہ تلوار کی غزلیں
ایوانِ وفا کے دَرودیوار کی غزلیں
دربارِ حکومت کانمک خوار ہوں لیکن
لکھتانہیں ہرگز کبھی سرکار کی غزلیں
ناظم سے خیالات، نہ زرزلؔ سی بغاوت
اس عہد کو مطلوب ہیں سردار کی غزلیں
لکھنا ہے تو ہم بیٹھ کے زندان میں لکھیں
رُودادِ چمن، مُرغِ گفتار کی غزلیں
کرتا ہُوں بیاں، تیشہ و کُہسار کا قصہ
لکھتا نہیں میں حُسن کے بازار کی غزلیں
بھیجی ہیں یہ کس نے مجھے خوشبُو میں بسا کر
پھُولوں سی مہکتی ہوئی کُچھ پیار کی غزلیں
کرتاہوں رقم، جو درِزنداں پہ پڑھا ہے
مت اِن کو سمجھنا کسی اخبار کی غزلیں
جب شہر مرا آتشِ نفرت میں گھرا ہو
میں اشکؔ لکھوں کس طرح دلدار کی غزلیں

☆☆☆

غزل

بری نظموں کے تم دھاڑوں سے ڈرنا
بری غزلوں کی تلواروں سے ڈرنا
گلوں کی سیج پہ اے سونے والو
قلم کے میرے انگاروں سے ڈرنا
یہاں سب تاجرِ علم و سخن ہیں
ادب کے چور بازاروں سے ڈرنا
وطن میں جو کرے غیبت وطن کی
وطن کے ایسے غداروں سے ڈرنا
رہے ہر شہر، گھر میں بلب روشن
مگر بجلی کے ان تاروں سے ڈرنا

☆☆☆

غزل

موسمِ سفّاک نے پھولوں کو زہریلا کیا
آنسوؤں سے دامنِ احساس کو گیلا کیا
کالے ہاتھوں نے خدایا، گورے گورے جسم پر
اِس قدر کوڑے لگائے کہ اُسے نیلا کیا
زندگی تیرے لئے ہم، ویتنامی فوج تھے
موت سے آنکھیں ملاکر وار گوریلا کیا
مارے ڈر کے آسماں کا رنگ پیلا ہوگیا
دفعتاً سورج نے جو چہرہ ذرا نیلا کیا
کیا یہی ہے عظمتِ فن، بے ہنر تیشہ زنو!
تم نے پتھر کاٹ کر، پربت کو بھی ٹیلا کیا
معجزہ تھا یہ بھی اپنی گرمیٔ گفتار کا
ناقدِ فن نے بھی اپنا لہجہ نوکیلا کیا

☆☆☆

نوٹ: رضا اشک کی پہلی غزل

غزل

میرے شعروں کی مہک، میری غزل کی خُوشبُو
جیسے اِک جھیل سے آتی ہو کنول کی خُوشبُو

صبح دم دوستو، اکثر مرے ویرانے میں
آتی رہتی ہے گُل نو اکدل کی خُوشبُو

ہنس کے میں کانٹوں کی وادی سے گزر جاؤں گا
دے دے مجھ کو جو کوئی ایک ہی پل کی خُوشبُو

تُو مرے دل کی ہے ملکہ، مری ممتاز محل
تُجھ سے آتی ہے مجھے تاج محل کی خُوشبُو

ساغرِ مے سے مشابہ، تری مدہوش آنکھیں
ہے ترے ہونٹ میں شہتوت کے پھل کی خُوشبُو

تیرے آنچل سے گری تُو مرے دامن پہ تھی
بھینی بھینی سی ترے جسم کی ہلکی خُوشبُو

جس سے شاداب ہے اب بھی مرے خوابوں کا چمن
تیرے ماتھے پہ وہ اُبھرے ہوئے بَل کی خُوشبُو

یہ شکاروں پہ ستاروں سا حسینوں کا ہجوم
زیست کے نام ہے، پیغامِ اجل کی خُوشبُو

☆☆☆

غزل

پیار کیا ہے، واسنا ہے
دیہہ کی یہ کامنا ہے
سورگ اور پرلوک ایشور
آدمی کی کلپنا ہے
شبد ہر اِک چندر جیسا
اَرتھ کیا اِک جیوتسنا ہے
زندگی، رچنا ہے میری
یُگ، بری آلوچنا ہے
ایک دھرتی، ایک مانو
ایک ہردے، اِک چیتنا ہے
رکت سب کا ایک جیسا
اِک شریر، اِک آتما ہے
اشک میری ہر غزل میں
میرے یُگ کی وِیدنا ہے

☆☆☆

غزل

اپنے ہی اشکوں سے تُم غزلیں لکھو گے کب تک؟
بُھوکا، ننگا ہے یہ انسان جہاں میں جب تک
جب تلک چاند ضیا بار ہے، سُورج روشن
حُسن اور عشق کی دُنیا بھی جواں ہے تب تک

عاجز ہے دستِ دعا، اور ہے سجدہ محرُوم
کسی سائل کی صدا کس طرح پہنچے رَب تک
ہر طرف حُسن کے چھلکے ہُوئے پیمانے ہیں
پر کوئی جامِ وفا پہنچا نہیں ہے لب تک
ایسا پہرہ ہے قفس میں ابھی صیّادوں کا
کہ نوا صید کی پہنچے نہ چمن میں سب تک
کیسی اصلاح، ضرورت نہیں اُستادوں کی
خُود کو پہنچایا نہیں میں نے کسی مکتب تک
میں ہوں فنکار، مری فکر کی دُنیا ہے وسیع
آپ کا ذہن ہے محدُود فقط مذہب تک

نہ کبھی جھک کے ملے، ہاتھ نہ سر تک پہنچے
میں کسی کام سے پہنچا جو کسی صاحب تک

اَن سُنی باتیں کئی، اَن کہے افسانے کچھ
وُہ لکھوں گا، جو کسی نے نہ لکھا ہے اب تک

اُن میں شامل ہے مرے دل کا لہُو، خونِ جگر
اشکؔ میں نے جو بھی اشعار کہے ہیں اب تک

☆☆☆

غزل

میں نے جو اک نظم لکھی تھی، ٹھیک اِکتیس جُولائی کو
وہ میرا پَیغام وفا تھا، ہندو پاک کے بھائی کو

گھر گھر جا کر قصّے سُنائیں، اکبرؔ، جُودھا بائی کے
نُور جہاں کے پیار کا تُحفہ، بھیجیں میراؔ بائی کو

جہیلم اور چناب کو چھوڑو، تم میرا بس دل لوٹا دو
راوی تک ہم بھینٹ چڑھا دیں، آج ہی گنگا مائی کو

رنگوں میں تقسیم کرو گے، نسلوں میں تم بانٹو گے
کب تک تم دو نیم کرو گے، دہر کی ایک اکائی کو

میرؔ و غالبؔ کو بھی پڑھا ہے، سُورؔ اور تُلسیؔ کو بھی سُنا ہے
میں نے بہت سوچا سمجھا ہے، گورکیؔ، ٹالسٹائیؔ کو

حُسن و عشق سے کھلتے کنول ہیں، فکر و فن کے تاج محل ہیں
دامنِ دل میں رکھنا صدیوں، میری غزل آرائی کو

☆☆☆

غزل

وادیٔ فاراں سے، کوہِ طور تک
شورِ محشر، صدائے صُور تک

تلخی و سنگینیٔ امروز و شب
وعدۂ فردائے وصلِ حُور تک

عظمتِ تاج و اجنتا کی طرح
ندرتِ فن، شاعرِ مشہور تک

ظلم کی سنگینیں، روایاتِ کہن
سَرمد و عیسیٰ سے ہے منصور تک

تیرگی از بیکراں تا بیکراں
بے حسی چھائی ہے، نزد و دُور تک

بات نکلی مُفلس و مجبور کی
آگئی یہ دفترِ جمہور تک

زندگی، جو ظلمتوں میں قید تھی
دیکھو در آئی، دیارِ نُور تک

داغؔ کے دِلّی کی ٹکسالی زباں
اشکؔ آپہنچی، سمتِ پُور تک

☆☆☆

غزل

کہو صبا سے کہ اتنا نہ تیز گام چلے
کلی کلی کو وہ چُھو کر سُبک خرام چلے
چراغِ دل رہے روشن، یہ دورِ جام چلے
تمہاری بزم میں جب تک کہ جشنِ عام چلے
ہوا سے کہہ دو کہ اتنی بھی ہو نہ سرگشتہ
اگر چلے تو گلستاں میں صُبح وشام چلے
سَفر مُدام سَفر، یعنی صُبح و شام سَفر
یہ کِس مقام پہ آئے تھے، کِس مقام چلے
ستم گروں کی نہیں، دلبرُوں کی بستی ہے
رباب و چنگ بجے، اور ایاغ وجام چلے

☆☆☆

غزل

ہتھکڑی ہاتھوں میں ہے اور پاؤں میں زنجیر ہے
آپ کے وحشی کی کتنی پُرکشش تصویر ہے

سر میں سَودا زُلف کا تھا، پاؤں میں زنجیر ہے
خواب آخر خواب تھا، یہ خواب کی تعبیر ہے

آپ کا در چھوڑکر اُس کی تمنّا کیا کروں
خُلد کیا؟ آدم کی ٹھکرائی ہوئی جاگیر ہے

یہ جو چاہے تو سنور سکتی ہے زلفِ زندگی
دستِ شاعر میں اِک ایسا شانۂ تدبیر ہے

ہر طرف موجِ نسیمِ گلستاں ہے عطر بیز
جانے کِس گُل پیرہن کی بُوئے خوش تاثیر ہے

اشک، گتھی آج تک تقدیر کی سلجھی نہیں
عقل حیراں اور عاجز ناخنِ تدبیر ہے

☆☆☆

غزل

مری غزل میں، خُدا کا وہ نُور ہوتا ہے
کبھی کبھی جو سرِ کوہِ طُور ہوتا ہے
مری زباں میں وہ آوازِ صُور ہوتی ہے
جہانِ فکر میں جس سے نشُور ہوتا ہے
امیر لوگوں کی خوراک سیب اور انگور
غریب لوگوں کی خاطر کھجور ہوتا ہے
میں مجمع ومناہ نہیں، دوپہر کا سُورج ہوں
غُرور اِس سے اندھیرے کا چُور ہوتا ہے
جو میرے پہلو میں ہوتی ہے کوئی حورِ غزل
تو دل میں میرے بھی کیف و سُرور ہوتا ہے
اَدب وہ کوثر و تسنیم و آبِ زَم زَم ہے
کہ جس سے پاک دلوں کا ظہور ہوتا ہے

☆☆☆

غزل

خوشی کے ساتھ سہہ لیتا ہوں ہر دُکھ درد عالم کا
سہارا مل گیا ہے دل کو جب سے اِک ترے غم کا

ادب اور زندگی میں ربطِ باہم پوچھنے والو
ادب اور زندگی میں ہے تعلق زخم و مرہم کا

رگِ جاں کو کوئی پھر نشترِ غم چھو گیا شاید
دھڑک اُٹھا نئے انداز سے پھر قلب عالم کا

اُسی کے دم سے میری زیست کی راہیں درخشاں ہیں
جلایا تھا کبھی دل میں جو میں نے اک دیا غم کا

سوالِ خوشۂ گندم ہوا پیدا یہاں پھر سے
خدائے اِیں جہاں نے جب سُنا افسانہ آدم کا

☆☆☆

غزل

میں زہر، گیس کے بادل سے، بھاگ آیا ہوں
لہو اور آگ کی دلدل سے، بھاگ آیا ہوں

وفا کا ہاتھ بڑھاؤ مجھے سہارا دو
میں شہرِ مرگِ مُسلسل سے، بھاگ آیا ہوں

میں اَب چنار کے سائے میں رُک کے دم لوں گا
میں اِک انار کے آنچل سے، بھاگ آیا ہوں

بتاؤں کس طرح گزرا ہوں راہِ مقتل سے
میں جلتی دھوپ میں کربل سے، بھاگ آیا ہوں

☆☆☆

غزل

غزل کا اِس طرح دل پر مرے الہام ہوتا ہے
طلوعِ ماہ کا منظر بوقتِ شام ہوتا ہے

کسی دشرتھ کے گھر پیدا کوئی جب رام ہوتا ہے
تو یہ راون کی خاطر موت کا پیغام ہوتا ہے

تن آسانی سے کوئی میر اور غالب نہیں بنتا
بڑی مشکل سے کوئی حافظ و خیام ہوتا ہے

جو مفلس کے غراخانے میں غم کی شام آتی ہے
امیرِ شہر کے گھر ایک جشنِ عام ہوتا ہے

مجھے گالی بھرے خط دشمنوں کے روز آتے ہیں
لکھا جس پر مرے ہی دوستوں کا نام ہوتا ہے

حسینِ فن پہ جب الزام کے نیزے برستے ہیں
یزیدِ نقد کا سب سے بڑا انعام ہوتا ہے

زمیں بغداد کی جب خون سے سیراب ہوتی ہے
تو اس مٹی سے پیدا پھر کوئی صدام ہوتا ہے

☆☆☆

غزل

مرے قلم کا نہ لے امتحان، خنجر سے
ہوا ہے کاٹ میں میری زبان، خنجر سے
تجھے خبر ہی نہیں کچھ قلم کی عظمت کی
کبھی جھکے گا نہ یہ مہربان، خنجر سے
قلم نے صفحۂ ہستی پہ کردیا مرقوم
ستم جو لکھ نہ سکا داستان، خنجر سے
زمین جیت لو، ہتھیالو آسمانوں کو
نہ ہوگا فتح یہ ہندوستان، خنجر سے
کھلے تھے پھول گلابوں کے سائبانوں میں
بھرا ہوا تھا مگر ہر مکان، خنجر سے
قلم سے کاٹ کے رکھ دوں گا میں تری تحریر
تو لکھ رہا ہے نیا سمبدھان ، خنجر سے
یقیں کے ساتھ اِدھر میں قلم اٹھاتا ہوں
اُدھر ٹپکتا ہے وہم و گمان، خنجر سے
گلوئے گُل میں یہ پیوست ہو کے دم لے گا
رفیقو! تم نہ ہٹانا دھیان، خنجر سے

سوادِ دل ہے، یہ اہلِ وفا کی بستی ہے
تُو کھینچتا ہے یہاں کیا نشان، خنجر سے
میں جانتا ہوں کہ جب اشکِ حق بیاں ہوگا
تُو کاٹ ڈالے گا اُس کی زبان، خنجر سے

☆☆☆

غزل

میرؔ و غالبؔ، جوشؔ اور اقبالؔ بَن جانے کے بَعد
میں تَہی داماں رہا، دادِ سخن پانے کے بَعد
زندگی میں، کوئی اُس کا پُوچھنے والا نہ تھا
شُہرت و عظمت مِلی شاعر کو مَر جانے کے بَعد
جادۂ مہر و وفا میں، سُرخ رُو ہوتا ہے عشق
شیشۂ دل کو، کسی پتّھر سے ٹکرانے کے بَعد
کیا پتہ لے جائے گی خُوشبُو اُسے اَب کے کہاں
صحنِ گُل میں اِک کلی کے پھُول بَن جانے کے بَعد
پھر بہار آئے گی اور جائے گی گُلشن سے خزاں
اِک کلی کِھل جائے گی، اِک پھُول مُرجھانے کے بَعد

☆☆☆

بابِ نظم

بند آنکھوں کا سفر

(جناب مشتاق نوری کے افسانوی مجموعہ ”بند آنکھوں کا سفر“ کی اشاعت)

شاہراہِ زندگی پر بند آنکھوں کا سفر
ہو مبارک تم کو نوری یہ نگاہوں کا سفر
وادیٔ دل ہے یہاں ملتے ہیں گُم صُم دوبدن
پیار کی راہوں میں نرم اور گرم باہوں کا سفر
زندگی دراصل اک پیہم سفر کا نام ہے
ہے سفر آغاز ہستی اور سفر انجام ہے
یہ سفر کیا ہے سمندر میں کولمبس کی تلاش
یہ سفر کیا ہے اندھیرے میں اُجالے کا وِکاش
ختم ہوجائے سفر تو زندگی کچھ بھی نہیں
شاعری ، افسانہ اور صورت گری کچھ بھی نہیں
وقت کے محراب میں پیہم صداؤں کا سفر
ہو مبارک تم کو نوری بند آنکھوں کا سفر

☆☆☆

نوٹ: مشتاق احمد نوری

آرزو کا مدفن

یہ زمیں لاکھ خوبصورت ہو
کوئی آماجگاہِ عشرت ہو
عکسِ فردوس، رشکِ جنت ہو
یا خدا کی عظیم خلقت ہو
آرزوؤں کا میرے مدفن ہے
یہ مری قتل گاہِ عشرت ہے

☆☆☆

آواگون

سونی ہے دل کی رہگزر
ہے راہِ ہستی پُر خطر
لیکن ہے کوسوں دور تک
آواز تیری ہم سفر
ایسے میں کاش آجائے تو
ماضی سے عہدِ حال میں
سب رشتے ناتے توڑ کر
آساں ہو جیون کی ڈگر
جاری ہو پھر سے یہ سفر

☆☆☆

رامائن

تخت اور تاج و حکومت ہے ادھر رامائن
سارے سنسار کی دولت ہے ادھر رامائن
اک طرف وشو کے ہُر یگ کے کَوِی کی شہرت
اک طر تلسی کی عظمت ہے ادھر رامائن

☆☆☆

دنکر کی الگ پہچان ہے

(۱)

تیری عظمت سے بھلا کس کو یہاں انکار ہے
آج بھی ہندی جگت میں تیری جے جے کار ہے
خالقِ ''رشمی رتھی، و 'اروشی' و 'رینوکا'
کرانتی بیگل کی تیری ہر طرف 'ہونکار' ہے
''لوٹ کر رن چھیتر'' سے آتا ہو جیسے پرشورام
صفحۂ تاریخ پہ روشن یوں تیرا نام ہے
رابطہ تیرا رہا یُوں ''ہارے کو ہر نام سے''
جامِ وحدت سے لبالب تیرا ہر پیغام ہے

☆☆☆

درد

درد جسمانی ہو یا روحانی
درد ہو چاہے قُربِ رحمانی
درد کا سلسلہ ہے طولانی
درد سے زندگی عبارت ہے
درد سے لرزاں تارِ ہستی ہے
درد سے فن میں کیف و مستی ہے
درد ہے ارتقائے انسانی
اس سے تابندہ عالمِ فانی
درد سے کس لئے گریز کریں
درد کی لَے کو اور تیز کریں

☆☆☆

پچھلے زمانے والو!

مجھ کو تنقید کی سولی پہ چڑھانے والو
مجھ کو تردید کی بھٹی میں جلانے والو
مجھ کو عیسیٰؑ کی طرح دار پہ لانے والو
مجھ کو سقراطؔ سا اے زہر پلانے والو!
اے مجھے سرمدؔ و منصورؔ بنانے والو
غالبؔ و میرؔ کے، مومنؔ کے گھرانے والو
ولیؔ و خسروؔ کے اے پچھلے زمانے والو
دشمنو!، اے میری تضحیک اڑانے والو
مجھ کو اے قیسؔ سا دیوانہ بنانے والو
تم کسے آئے ہو سوتے سے جگانے والو
کون ہو تم یہ مجھے راہ دکھانے والو

☆☆☆

کتاب پڑھو

(بچوں کے لئے)

پیارے بچو! اٹھو کتاب پڑھو
جاگو نکلا ہے آفتاب پڑھو
وقت بدلا ہے تم بدل جاؤ
سب سے آگے ذرا نکل جاؤ
یہ نہ سمجھو کہ وقتِ فرصت ہے
زیست ایک ایک پل غنیمت ہے
دیکھو ہر سو ہے انقلاب پڑھو
کس لئے دیر ہے، شتاب پڑھو
کام جتنا کروگے ہمت سے
ہوگے تم اُتنا کامیاب پڑھو
گھر میں تم روشنی کو لے آؤ
اک نئی زندگی کو لے آؤ

☆☆☆

لوحِ تربت

اس جزیرے میں ایک تربت ہے
دفن اس میں عظیم عورت ہے
جاں لٹائی ہے اس نے چاہت میں
یہ وفا عشق کی علامت ہے
اس میں جرأت نہ تھی بغاوت کی
پیار کی اس نے کیوں جسارت کی

☆☆☆

بھور بھئی چودیس

(نذرِ امیر خسرو)

کھو چکی خوشبو رجنی گندھا، جاگا نیا بھیان
سونے کی اک تھالی لے کر نکلا ہے دن مان
جاگ اٹھی پورب کی دھرتی جاگا ہندوستان
روٹی اور روزی کی دھن میں نکلا ہے انسان
گوری اٹھی ہے سیج سے مکھ سے جھٹک کر کیس
رب کا منتر جاپے، بھور بھئی چودیس

☆☆☆

مُخبر اور خنجر

(ماخوذ از چندر کانتا)

تو نے دوسو اشرفیوں کے عوض
راز یہ مجھکو جو بتایا ہے
راز یہ اوروں کو نہ بتلا دے
تیرا خنجر سے سر اُڑاتا ہوں
اور یہ انعام کی تری رقمیں
میں ترے گھر روانا کرتا ہوں
دھڑ، کٹا سر روانہ کرتا ہوں
اور یہ خنجر روانہ کرتا ہوں

☆☆☆

روحِ رواں

وہ اک مصرع بر محل جارہی ہے
رضا اشکؔ کی وہ غزل جارہی ہے
وہ واجد علی شاہ کی اک چہیتی
مچلتی وہ حضرت محل جارہی ہے
وہ اس عہد کی ایک ممتاز لڑکی
محبت کا تاجِ محل جارہی ہے

☆☆☆

ہیروشیما

ابھی مٹی میں لاشوں کی مہک ہے
ہوا میں اب بھی ایٹم کی دھمک ہے
اپاہج لولی، لنگڑی، اندھی، نسلیں
یہ اوٹو ہونس کے دل کی سَنک ہے
کروڑوں سال تک کی خونیں جنگیں
اثر جن کا نئی تاریخ تک ہے
ہم اوٹو ہونس کا اک بت بنالیں
اور اُس کو ڈائنا مائٹ سے اڑا دیں

☆☆☆

احمد فراز سے

(کفر کا فتویٰ صادر ہونے پر)

پوچھا یہ جا کے میں نے کل احمد فراز سے
کیوں منحرف ہیں آپ بتائیں نماز سے
کہنے لگے یہ صوفی و ملا کی ہے زمیں
واقف نہیں ہیں آپ عبادت کے راز سے
فتوی لگائے پھرتے ہیں یہ ہند و پاک میں
آئے ہیں اُڑ کے گرچہ جہازِ حجاز سے
پوچھا جو میں نے کفر کا فتویٰ ہے کیا بَلا
بولے یہ پوچھو جوشؔ سے فیضؔ و مجازؔ سے
میں نے کہا کہ مفتی و ملا کو چھوڑیے
کچھ مغفرت تو مانگیے اس کارساز سے
کہنے لگے کہ جرم کی جو کچھ بھی ہو سزا
مانگوں گا معذرت نہ مشرفؔ، نوازؔ سے

☆☆☆

ایک عورت ایسی تھی

(ایک دوست کے ناول ''ایک عورت ایسی تھی'' کے رسم اجرا پر)

ایک عورت ایسی تھی
یعنی پھول جیسی تھی
زلف تھی گھٹا جیسی
چال تھی ہوا جیسی
روپ، دھوپ ایسا تھا
رنگ، چاند جیسا تھا
ہونٹ تھے حنا جیسے
ہاتھ تھے دعا جیسے
آنکھیں، مے کے پیالے تھے
سینے، دو شوالے تھے
ایک عورت ایسی تھی
جو کہ ایک شاعر سے
دل سے پیار کرتی تھی
اس طرح سے دونوں کی
زندگی گزرتی تھی

☆☆☆

امراؤ جان ادا

دیکھی تھی رت فلم اک امراؤ جان ادا
یعنی کہ مرزا رسوا کے مضراب کی صدا
لبریز حسن وعشق سے اک قصۂ وفا
شاخِ حنا سے جیسے گزرتی ہوئی ہوا
اے شہرِ لکھنؤ کی سمن زار سر زمیں
دنیا میں کل تلک تھی تو جنت سے بھی حسیں
امراؤ جان تیرے قلمکار کو سلام
اور تیرے ٹی وی فلم کے فنکار کو سلام
نغماتِ شہریار کے افکار کو سلام
اور مرزا رسوا کے حسیں شہکار کو سلام
جب تک زمین و آسماں اور کہکشاں رہے
یہ قصہ لازوال رہے جاوداں رہے

☆☆☆

الفنٹا کی شام

بمبئی سے دور اک پربت پہ الفنٹا کی شام
گوشۂ تنہائی میں اک خوبصورت سا مقام
جس طرح بحرِ عرب میں اک جہازِ بے خرام

دامنِ کہسار میں چھوٹا سہی لیکن یہ غار
عہدِ پارینہ کے صنّاعوں کی دلکش یادگار
سینۂ گیتی پہ اِک جاوید و زندہ شاہکار

فن کے بُت خانے میں یہ عورت کی ننگی مورتیں
نصب ہیں پتھر پہ ہر سو دیوداسی صورتیں
مینکا و اروشی کی سی سبک تر قامتیں

☆☆☆

خدا نہیں بھگوان کی جئے ہو

گیتا، وید، پُران کی جئے ہو
بائبل اور قرآن کی جئے ہو
جئے تُلسی، ہنومان کی جئے ہو
خدا نہیں بھگوان کی جئے ہو
ہندو، ہندوستان کی جئے ہو
بھارت دیش مَہان کی جئے ہو

رام لکشمن بھرت شترو گھن
راون شکتی کنش وشاشن
میگھ ناتھ، ناَرد، دریودھن
ڈول رہا ہے راج سنگھاسن

کمبھ کرن بلوان کی جئے ہو
جے جئے ہندوستان کی جئے ہو

☆☆☆

تعارف اس کا

نازشِ شہر سستی پور ہے
ہند و پاکستان میں مشہور ہے
ریلوے میں خادمِ کم تر تھا وہ
آج وہ اک شاعرِ مزدور ہے
کل بھی وہ اِک شاعرِ جمہور تھا
آج بھی اِک شاعرِ جمہور ہے
راہ میں اس کے ہیں صد کوہِ گراں
ہاتھ میں اک تیشۂ مزدور ہے
بادشاہوں کے قصیدہ بھی لکھے
اس کو یہ ہرگز نہیں منظور ہے
اس سے خائف مقتل و دار و صلیب
سرمد و عیسیٰ ہے وہ منصور ہے
چاند سے آگے، ستاروں سے پرے
اس کی منزل دور، کوسوں دور ہے
تیرگی س کو ڈرا سکتی نہیں
اس کی راہوں میں ضیائے طور ہے
عزم میں وہ سنگ اور فولاد ہے
یہ نہیں کہتا کے وہ معذور ہے
لکھنؤ، دلی عظیم آباد کیا
اب سستی پور نیشاپور ہے

☆☆☆

زندگی

آہ کتنی قاتل و سفاک ہے یہ زندگی
واردات و قصۂ ضحاک ہے یہ زندگی
سولی پر لٹکی ہوئی ہے لاشِ عیسٰی کی طرح
دیدۂ مریم کی سی نمناک ہے یہ زندگی
یہ وہ گتھی ہے کہ جو اُلجھی تو پھر سُلجھی نہیں
صورتِ تقسیمِ ہند و پاک ہے یہ زندگی
اس کو ماتھے پر مَلو تُم اَے شہیدانِ چمن!
چوں کہ خود اپنے وطن کی خاک ہے یہ زندگی
کیسے کیسے گُل بدن اِس خاک میں مدفون ہیں
کیسے کیسے حکمراں کی خاک ہے یہ زندگی
مجھ کو آتی ہے نظر یہ کیکٹس کی ڈال سی
تم یہ کہتے ہو کہ تاخِ تاک ہے یہ زندگی

☆☆☆

کوئی ذی جاہ نہیں تھا

وہ حادثہ مِن جانبِ اللہ نہیں تھا
وہ راہ فرشتوں کی گزرگاہ نہیں تھی
اوتار پیمبر کوئی ہمراہ نہیں تھا
دوزخ سی سلگتی ہوئی اک آتشِ نمرود
مجرم سے قطاروں میں کھڑے شاہد و مشہود
جاگا ہوا ابلیس تھا، سویا ہوا معبود
جاتے بھی کہاں بھاگ کے ہر راہ تھی مسدود
چھپتے بھی کہاں کوئی کمیں گاہ نہیں تھی
ہر چند یہ اک سانحہ ناگاہ نہیں تھا
یہ جشنِ چراغاں تھا غلاموں کے لہو سے
حیرت ہے کہ کوئی وہاں ذی جاہ نہیں تھا

☆☆☆

تضاد

سرمد ہوں، منصور ہوں، اور سقراط ہوں میں
لب سے سچی بات نکلتی رہتی ہے
یوکلپٹس کے پیڑ جہاں پر اگتے ہیں
ناگ پھنی بھی وہیں نکلتی رہتی ہے
نکلس ہے یا سونے کی زنجیریں ہیں
یہ لڑکی کیوں ہاتھ کو ملتی رہتی ہے
جانے یہ کیسا موسم کا جادو ہے
کنکلس میں لیلی بھی پھلتی رہتی ہے
کیا رکھا ہے راجہ نل کی بستی میں
وہیں چلیں ہم جہاں دمنتی رہتی ہے

☆☆☆

چار آنکھیں دو ہاتھ

(وردان اور کلا کا مرقع تصویر موصول ہونے پر)

کاغذ پہ یہ جو بکھرے ہوئے سات رنگ ہیں
دو ننھے منے ہاتھوں کے دل کی اُمنگ ہیں
جیسے کسی کوی کی کویتا کا چھند ہو
جیسے کہ فَبْد فَبْد سے، دُھونی بلند ہو
وَردان کی کلا میں عجب جل ترنگ ہے
جدت پہ جس کے اشکِ قلم میرا دنگ ہے
چلتا رہے یہ رنگ اور توُلی کا سلسلہ
ہے کامنا امر رہے دو ہاتھ کی کلا
دو ہاتھ چار آنکھیں ہیں تصویر ایک ہے
رنگت جدا جدا ہے پہ تحریر ایک ہے

☆☆☆

سوہنی مہیوال

سوہنی مہیوال کا ہے افسانہ
بنتِ مہتاب کی کہانی ہے
ابنِ سہراب کی کہانی ہے
دستِ سوہنی میں تھا وہ کچا گھڑا
بیچ دریا میں جو کہ پھوٹ گیا
سوہنی دریا میں ہوگئی غرقاب
اور مہیوال ہوگیا تنہا
دکھ کے گرداب کی کہانی ہے
غم کے سیلاب کی کہانی ہے
عشق و رومان کا ہے افسانہ
جسم اور جان کا ہے افسانہ
ہجر اور وصل کی حکایت ہے
عہد و پیمان کا ہے افسانہ
روحِ بیتاب کی کہانی ہے
ٹوٹے اِک خواب کی کہانی ہے
مٹی اور آب کی کہانی ہے

☆☆☆

سنس مرن مرے ساتھ ہے

(ڈاکٹر بم بم سنگھ نیل کمل کی موت پر)

پل پل کا اسکے سنس مرن میرے ساتھ ہے
جیون کلا اور اس کا ندھن میرے ساتھ ہے
مٹی میں مل چکا ہے گو چندن سا وہ بدن
پستک میں اس کا مکت کتھن میرے ساتھ ہے
ارتھی پہ آج اس کی پڑی لاش ہے خموش
اس کا شریر پشپ سمن میرے ساتھ ہے
اِک جاں نشیں تھا پنت کا تلسی کا سور کا
اس کا ہر اِک پیامِ سخن میرے ساتھ ہے
ارپت کریں نہ کیوں اُسے شردھانجلی کے پھول
ساہتیہ کا اک "سیوا سدن" میرے ساتھ ہے
شاید یہیں چھپی ہو کہیں اس کی آتما
مرمر سا اس کا اُجلا بھون میرے ساتھ ہے
اس کی پوتر آتما کو نمن ہے مرا
جیون میں اس کا پنر ملن میرے ساتھ ہے
وہ اشک تھا سیاہی قلم اور دوات کا
دنیا مٹا سکی نہ لکھا اس کے ہات کا

☆☆☆

آنکھیں

کہتا ہے کوئی ''اس کو سمندر میں ڈال دو''
کہتا ہے کوئی ''اس کو ہوا میں اچھال دو''
شاعر ہے، روز و شب ہے یہ مصروفِ شاعری
جو ہو سکے تو اس کی یہ آنکھیں نکال دو
اِس کو نکالنا نہیں شاعر کی آنکھ ہے
قدرت کے اِک ذہین مصوّر کی آنکھ ہے
سقراط، ارسطو اور فلاطون کی طرح
اس عہد کے عظیم مفکر کی آنکھ ہے
تکلیف کیوں کسی کو ہے، شاعر کی آنکھ سے
فنکارِ حسن، یعنی مصور کی آنکھ سے
کردے کہیں نہ وقت تری انگلیاں قلم
چاقو اِدھر بڑھانا ذرا دیکھ بھال کے
غالب، امیر، میر کے ہمسر کی آنکھ ہے
خسرو، کبیر، پنت کی، دنکر کی آنکھ ہے
کردے نہ ایک پل میں یہ پَر لئے جہاں میں
شاعر کی یہ نہیں ہے، یہ شنکر کی آنکھ ہے
بدن میں درد کہیں ہو تو آنکھ روتی ہے
یہ آنکھ اصل میں جیون کی اک جیوتی ہے

☆☆☆

پچھلے موسم کا پھول

(جناب مظہر امام کو ساہتیہ اکیڈمی سے انعام سے نوازے جانے پر)

بن گئی ہے اس چمن کی شاخِ گُل شاخِ ببول
لگ رہی ہے زندگی اس دور میں شوقِ فضول
مرحبا اے شاعرِ دوراں کہ کانٹوں کے عوض
پچھلے موسم کا سہی تو لایا ہے صحرا میں پھول
صدیوں لمبی رات کی اس وادیٔ ظلمات میں
دور اُفق پر جس طرح ہوتا ہے سورج کا نزول

یہ نہیں ہے کہ فقط آگ لگا دیتی ہے
شاعری آتشِ نمرود بجھا دیتی ہے
شعلہ طور بھی ہے جلوہ گہِ نور بھی ہے
شاعری وادیٔ فاراں سے صدا دیتی ہے
تختِ پرویز بھی ہے مقتل تبریز بھی ہے
شاعری قوم کو سوتے سے جگا دیتی ہے
شاعری دہر میں انعام بھی اکرام بھی ہے
شاعری صاحبِ اعزاز بنا دیتی ہے
جب کہ بڑھ جاتا فنکار میں شہرت کا جنوں
شاعری عظمتِ شہکار گھٹا دیتی ہے
ہے دعاء اشکؔ کی جاوید فنِ مظہرؔ ہو
نقشِ آزر کی طرح اس کا ہر اک پیکر ہو

☆☆☆

روداد جنوں

عجیب درد محبت کا درد ہوتا ہے
جنوں میں قیس بیاباں نورد ہوتا ہے
بھٹکتا کیوں ہے محبت میں کوہکن کوئی
چراغ کیوں دلِ شیریں کا سرد ہوتا ہے
اگر چہ کہنے کو یہ اک طویل قصہ ہے
بیان اس کا مگر فرد فرد ہوتا ہے
یہی تو وامق و عذرا کی بھی حکایت ہے
یہی تو رومیو، جولیٹ کی بھی روایت ہے
یہی تو ہیر اور رانجھا کی زندگانی ہے
یہی تو سوہنی و مہیوال کی کہانی ہے
اگر سلیم کو دیتی نہ دل انار کلی
تو اس پہ اٹھتی نہ تلوار شاہ اکبر کی
سماج والے بھی ان کی ہنسی اُڑاتے ہیں
جدا اگر کسی عورت سے مرد ہوتا ہے
اسی لئے تو خدا نے زمیں بنائی ہے
جہاں کہ قسمتِ عاشق میں نارسائی ہے
یہ بادشاہوں کی اور جابروں کی دنیا ہے
یہ تم سے کس نے کہا مفلسوں کی دنیا ہے

☆☆☆

کلیم قیصر کے نام

تم ہمارے شہر میں آئے ہو سولہ سال پر
رسمِ اجرائے سخن تھا جب کہ ''تیشے کا سفر''
میں نے جب پہلے پہل تم سے سنی تھی اک غزل
فکر کے جمنا پہ جیسے فن کا ہو تاجِ محل
سینۂ گیتی پہ جیسے حسرتِ شاہ جہاں
ہر سطر جیسے دلِ ممتاز کا سوزِ نہاں
معجزہ تھا یہ بھی گویا گرمیٔ گفتار کا
دل سُلگ اٹھا وطن کے ہر گل و گلزار کا
''شہر تو کیا دل کی ساری بستیاں جلنے لگیں''
کاتبِ تقدیر کی بھی اُنگلیاں جلنے لگیں
جس طرح سے طور پہ ہو جلوۂ ربِ کریم
اس طرح رخشندہ و تابندہ ہوں قیصر کلیم
''کیا کہا آپ نے انگلیاں جل گئیں''

☆☆☆

قلوپطرہ

اکیلا میں، اکیلی تم چلی آؤ قلوپطرہ
اٹھاؤں ساز میں اور تم غزل گاؤ قلوپطرہ
ابھی تک تو فقط تم نے مرے دل کو دکھایا ہے
ہُمکتے ناچتے جذبوں کو سانپوں سے ڈسایا ہے
تمہیں میں عفو کرتا ہوں نہ پچھتاؤ قلوپطرہ
فضا بے کیف آگیں اور موسم بھی سہانا ہے
خدا چپ چاپ سویا ہے، ادھر سہما زمانہ ہے
مری ان ترسی بانہوں میں سما جاؤ قلوپطرہ
دہائی دو نہ مجھ کو اپنے تم پچھلے گناہوں کی
مجھے تسلیم ہے تم ہو امانت بادشاہوں کی
ابھی بھی وقت ہے ناگن سی لہراؤ قلوپطرہ
چلی آؤ قلو پطرہ، چلی آؤ قلوپطرہ
اٹھاؤں ساز میں اور تم غزب گاؤ قلوپطرہ

☆☆☆

نام ونشان

ایسے میں آگیا کہاں شاعر؟
اب زمیں اور وہ آسمان نہیں
وہ مکیں اور وہ مکان نہیں
گفتگو بار ہے سماعت پہ
آج دلی کی وہ زبان نہیں

دل ہے دلدار اب نہیں ملتے
جلوۂ یار اب نہیں ملتے
چاندنی چوک اب بھی ہے آباد
گجرے اور ہار اب نہیں ملتے

اب جہانگیر ہے نہ نور جہاں
نہ ہی ممتاز اور نہ شاہِ زماں
جودھابائی کا چاندنی بی کا
مٹ چکا ہے یہاں سے نام و نشاں

محفلیں، مجلسیں سجائے کون؟
نغمۂ زندگی، سنائے کون؟
تاجرانہ ہے ذہنِ انسانی
یہ حقیقت، نظر میں لائے کون؟
ایسے میں آگیا کہاں شاعر؟

☆☆☆

غالبؔ کے نگر والے

(دلی سے سستی پور، ایک بارات کی آمد پر)

وہ میرؔ کی گلیوں کے غالبؔ کے نگر والے
یہ ذوقؔ و ظفرؔ کے ہیں شمشیر و سپر والے
اس قصبۂ بیدلؔ میں اس یاسؔ کی بستی میں
کیا جھومتے آئے ہیں چکبستؔ و شررؔ والے
آرام سے سونے دو اب ساحلِ گنڈک پہ
آئے ہیں تھکے ہارے دلی کے سفر والے
کندن کے وہ تاجر ہیں صندل کے ہیں سوداگر
وہ مشک عطر والے یہ عود اگر والے
اک نور کے متوالے، اک طور کے رکھوالے
وہ شمس و قمر والے، یہ لعل و گہر والے

اے حضرتِ سرور!

حضرت کو تو بس ایک کتابت سے گلہ ہے
لیکن مجھے فرسودہ روایت سے گلہ ہے
جمہور کے اس طرزِ حکومت سے گلہ ہے
مفلوج سی، مخلوط سیاست سے گلہ ہے
کھولے ہوئے لاوے کا یہ دھرتی ہے سمندر

اے حضرتِ سرور!

جب سیتا کی نگری تھی جلی آپ کہاں تھے
میرٹھ میں جو گولی تھی چلی آپ کہاں تھے
جب بابری مسجد تھی گری آپ کہاں تھے
بمبئی میں جو کرفیو تھی لگی آپ کہاں تھے
اے قوم کے سالار مرے دیش کے لیڈر

اے حضرتِ سرور!

کل کس نے مشینوں کے لیے چندہ کیا تھا
تحویل صحافت کا جشن زندہ کیا تھا
اردو کی تجارت کا غلط دھندہ کیا تھا
صحرا میں سرابوں کو نمائندہ کیا تھا
آمد میں خسارہ ہی ہوا اللہ اکبر

اے حضرتِ سرور!

یہ خدمت اردو بھی ہے جینے کا بہانہ
یعنی دل صد چاک کو سینے کا بہانہ
تلخابۂ ہستی کو ہے پینے کا بہانہ
عشرت کے زمیں دوز دفینے کا بہانہ
تحریک و ایجنڈا سبھی دھوکا ہے سَراسر
اے حضرتِ سرورؔ!

صفدر ہاشمی

(نکڑ ڈرامے کا موجد)

ہمیشہ وار تو کرتا رہا حکومت پر
تو ایک طنز کا تھپڑ تھا روئے دولت پر

ہے حرف حرف بغاوت تری کہانی میں
میں ناز کرتا ہوں اے دوست تیری جرأت پر

ابھی خبر نہیں زنداں کی ان سلاخوں کو
نواحِ دلّی میں ٹوٹیں جو تیری قامت پر

بہار مانگی تو تجھ کو ستونِ دار ملا
لہو لہان ہے دل قتل کی سیاست پر

ستم وہ ڈھایا ہے گاندھی کے کچھ سپوتوں نے
خجل ہے نا تھو بھی ستونت کی شقاوت پر

میں بعد مرگ مَراثی کا ہوں نہیں قائل
لکھوں گا آج قصیدہ تری شہادت پر

قلندری کا سلیقہ سکھا دیا تونے
رہی غلامی کو ترجیح بادشاہت پہ

ترا یہ جرم کہ تیرا ہر ایک فن پارہ
شرارہ بن کے لپکتا رہا ہے ظلمت پہ

یہ تیری شان، یہ تیرا نصیب ہے صفدرؔ
برس رہے ہیں عقیدت کے پھول تربت پہ

☆☆☆

فرسودہ روایت

یہ چادر پوشی کی جو شہر میں میرے روایت ہے
ادیبوں، شاعروں، دانشوروں کی یہ ہزیمت ہے
ہر اک سے پوچھتا میں کہ اس کی کیا ضرورت ہے

یہ چادر بعدِ مردن ہم تو تربت پر چڑھاتے ہیں
یہ چادر ہم سیاسی رہنماؤں کو اوڑھاتے ہیں
قلمکاروں کو یہ چادر اوڑھانا ان کی ذلت ہے

قلم کا واسطہ کیا ہے بھلا پھول اور چادر سے
قلم، جو نی الحقیقت اشک طاقت ور ہے خنجر سے
قلم کو بےگردی رکھنا اہلِ دولت کی سیاست ہے

جو چادر ہی اوڑھانا ہو تو پھر ڈھاکے کی ململ ہو
نزاکت اور نفاست، حسن کاری میں مکمل ہو
یقیناً مغربی دنیا میں جس کی اب بھی شہرت ہے

یہ چادر مانگ کر لاتے ہیں ہم تو کوئے قاتل سے
یہ چادر چھین کر لاتے ہیں ہم ارباب باطل سے
یہ چادر اوڑھ لینا ہم ادیبوں کی حماقت ہے

یہ چادر پوشی تو شیوہ ہے کچھ ادبی دلالوں کا
یہ چادر پوشی کچھ مسلک نہیں فن کے جیالوں کا
زمانہ اشک سے پوچھے کہ کیا اس کی حقیقت ہے

☆☆☆

مُلک راج آنند

ایک دن اخبار میں، میں نے پڑھی ایسی خبر
اِک ادیبِ معتبر دارِجہاں سے اٹھ گئے

درد ہر دل میں نہاں ہے، آج ان کی موت پر
ہر نفس آتش فشاں ہے، آج ان کی موت پر
ہر بشر نوحہ کناں ہے، آج ان کی موت پر
ہر تخیّل نیم جاں ہے آج ان کی موت پر

روس، چین و کوریا، جرمن و ہند و پاک تک
دولگا، گنگا کو سر کرتے ہوئے تیراک تک
ناگاساکی، ویت نام و کیوبا کی خاک تک
اس زمیں کی خاک سے، مہر و مہ و افلاک تک

آندھی اور طوفان میں دریا کی طغیانی تھے وہ
عزم کا کوہِ گراں تھے، یعنی چٹانی تھے وہ
اِک ادیبِ بے بدل، فن کارِ لاثانی تھے وہ
صاحبِ اسلوب تھے، اقدار کے بانی تھے وہ

آسماں کی وسعتوں تک پہنچی تھی ان کی کمند
اک صدی کا شہرنامہ ان کی مٹھی میں تھا بند
صفحۂ ہستی پہ تھے انگلش کے وہ اک پریم چند
شہر اور دیہات کی مٹی میں تھی ان سگند

ان کا سرمایہ تھا کاغذ، روشنائی اور قلم
ان کا سرمایہ تھا اہلِ علم کا جاہ و حشم
ان کا سرمایہ تھا سارے مفلسوں کا درد و غم
ان کا نصب العین تھا ایثارِ بے دام و درم

پریم چند

'ہنس' کی ان کی ادارت، ہے ادب میں یادگار
اشتراکی ہر صدارت، ہے ادب میں یادگار
ان کا وہ جوشِ بغاوت، ہے ادب میں یادگار
ایک اک حرفِ صداقت، ہے ادب میں یادگار

غور سے سوچیں اگر ہم صرف اک گودان کو
قرض میں ڈوبا ہوا پائیں گے ہندوستان کو
بھوکا ننگا دیکھیں گے بھارت کے ہر دہقان کو
عیش میں ڈوبا ہوا پائیں گے ہر دھنوان کو

نائی، بھنگی، دھوبی کو اور جوتے کو سیتا چمار
اک زمیندارن کی ڈولی کاندھے پر رکھے کہار
مورت اور برتن بناتے گیلی مٹی سے کمہار
ایسے ہی کردار افسانوں میں ان کے ہیں ہزار

ان کے کُل افسانوں کی تعداد ہوگی چار سو
بے کسوں پر بارشِ بیداد ہوگی چار سو
داستانِ نالہ و فریاد ہوگی چار سو
دہقاں اور شامت کی روداد ہوگی چار سو

فکر کو جھلکا رہی ہے گرمیِ بازارِ حسن
بوالہوس کی دسترس میں گیسوئے خم دارِ حسن
زرد موسم کی علامت تابشِ رخسارِ حسن
جھوٹے اقرارِ محبت سے خفا، انکارِ حسن

رنگ بھومی، نرملا، گودان اور سیوا سدن
کرم بھومی، مان سرور، غبن اور سوزِ وطن
رفعتِ ہندو ہمالہ، وسعتِ گنگ وجمن
گھپ اندھیری رات میں جیسے کہ سورج کی کرن

پریم چند اردو کے تھے سب سے بڑے ناول نگار
اور وہ ہندی ادب کے بھی تھے گویا تاج دار
ان کے ناول اور افسانے ادب کے شاہ کار
گورکی سے بڑھ کے تھے وہ اک ادیبِ ذی وقار

ان کے افسانوں کا مرکز غم زدہ انسان تھا
ان کے افسانوں کا مرکز خوں نشاں دہقان تھا
ان کے افسانوں کا مرکز کھیت تھا، کھلیان تھا
ان کے افسانوں کا مرکز پورا ہندوستان تھا

خیمۂ عیش وطرب میں ہر طرف کہرام ہے
پریم کی شہرت خدائے وقت کا انعام ہے

☆☆☆

ناگارجن

(جنم شتابدی سماروہ پر)

میتھلی، ہندی ادب کے جگمگاتے اے روی
عہدِ حاضر کا ہے تو ہی پریم چند اور گورکی
ہندی کویتا کے لئے جن آندولن کا کوی
تو ہے بھارت کا نرالا، میتھل کا وِدیاپتی

اُگرتارا، پارو، بلچنما کے اے سرکش ادیب
کارخانوں، کھیتوں، کھلیانوں کے مینڈوں کے خطیب
عمر بھر ڈھوتا رہا تو کاندھے پر اپنے صلیب
کتنے شعلوں کی لپٹ تھی تیری شہ رگ کے قریب

اس صدی کا درد شامل ہے تری آواز میں
زیست کا ہردورِ کامل ہے تری آواز میں
جگت سنگھ، آزاد، بسمل ہے تری آواز میں
ڈائر وڈیول سا قاتل ہے تری آواز میں

ایک چنگاری جلاسکتی ہے کُل سنسار کو
توڑ سکتا تھا تو جور وظلم کی سرکار کو
توڑ دیتا نادر و چنگیز کی تلوار کو
توڑ دیتا قیصر و ہٹلر کے تو ہتھیار کو

جبر اور جور و تشدد کی یہ گا تھا 'بھوجپور'
توڑ ڈالا تونے راون اور دُساشن کا غرور
کنس، دریودھن کے سر کو کردیا ہے چکناچور
ہر صدا ہے تیری گویا ایک آوازِ نشور

ناگا ارجن تیرے پیغامِ بغاوت کو سلام
تیرے اس جذبِ محبت اور شہادت کو سلام
احمریں پرچم کی تیری اس قیادت کو سلام
تیری ہمت، تیرے عنوانِ جسارت کو سلام

شخصیت پہ تیری متھیلانچل کو ناز ہے
فیض اور نذرل کے جیسا فکر کا انداز ہے
اینگلس اور لونی کے جیسی تری پرواز ہے
مارکس، لینن کے ادب کا تو بڑا دمساز ہے

جان جوکھم میں ہے ڈالی تونے سالوں جیل میں
ہتھکڑی دکھ کی اچھالی تونے سالوں جیل میں
دل کی حسرت یوں نکالی تونے سالوں جیل میں
آہنی زنجیر ڈالی تونے سالوں جیل میں

ہر قدم پر تیرے لاٹھی، گولی اور ڈنڈا رہا
تجھ پہ واجب جور کا ہرایک ہتھکنڈا رہا
تیرے آگے شعلۂ ظلم وستم ٹھنڈا رہا
ہاتھ میں تیرے بغاوت کا حسیں جھنڈا رہا

اے قلم کار تروینی کی مقدس سرزمیں
اس جگہ جھکتی ہے شاعر اور مصور کی جبیں
صدہا مزدوروں، کسانوں کے دیارِ دل نشیں
سوچتا ہوں کہ جھکادوں اپنا سر بھی میں یہیں

موت نے افسوس! تجھ کو اس قدر مہلت نہ دی
عظمت و شہرت تو بخشی پر تجھے دولت نہ دی

☆☆☆

نوٹ۔۔اس نظم کا آدمقد بینر ناگارجن کے وطن تروینی میں ناگارجن چوک پر ان کی مورتی کے سامنے نصب کیا گیا تھا۔

اے میری تلوار!

کیسے کیسے جودھا، سکندر، نادر اور چنگیز
تو جو اپنے نیام سے نکلی، بھاگ گئے انگریز
آجا پیاری نیام سے باہر، دھار کو کردے تیز
ہو جا اب ہشیار
اے میری تلوار

ظلم پہ کیسے شب خوں ماروں، دشمن کو دوں مات
میں ہوں تنہا اور نہتھا، دے تو میرا ساتھ
ڈھونڈتا رہا ہے کب سے تجھ کو میرا خالی ہاتھ
میں ہوں ترا فن کار
اے میری تلوار

☆☆☆

ودّیاپتی

قصبۂ بسفی کے باسی اے کوی ودّیاپتی!
ماہتاب ہند اور متھلانچل کے اے روی
زندگی کو تو نے دیکھا کامنی کے روپ میں
مینکا و اُروشی اور دروپدی کے روپ میں

تیرے سینے میں ہے شاید سرسوتی کی آتما
بان بھٹ، جئے دیو سے اونچی ہے تیری کلپنا
یہ تصور، یہ تخیل، آہ! یہ حسن و جمال
دیکھ کر آتا ہے تجھ کو مانی، آزر کا خیال

روح مائکل انجلو شامل ہے تیری ذات میں
ساز کالی داس کا شاید ہے تیرے ہات میں
پتھروں پر جس طرح پالی میں کچھ تحریر ہو
جیسے ہندو آرٹ کی اک دل نشیں تصویر ہو

جس طرح قوسِ قزح کا رنگ ہو بکھرا ہوا
چندر ما سا جھیل میں ٹھہرا ہے ویسے فن ترا
جیسے اک ساگر کے تٹ پر جسم بل کھاتا ہوا
دور کے پربت پہ اک آنچل سا لہراتا ہوا

فکر کی عظمت ہے یہ اور فن کی یہ معراج ہے
پریم اور سوندریہ کی دنیا کا تو سرتاج ہے
گنگا سے ملنے کی دُھن میں پیاس جب تیری بڑھی
تیرے چرنوں میں چلی آئی تھی خود گنگا ندی

ستیم، شیوم، سندرم کی جیسے مندر میں صدا
اس طرح ہے گیت سے سنگیت کا رشتہ ترا
راجا شیو سنگھ کا کھلا تیرے لئے دربار تھا
میتھلی کا تو یقیناً ایک بڑا فنکار تھا

☆☆☆

کٹک

(صوبے سے شہر تک)

رک جا اے سیاح کتنا خوبصورت ہے کٹک
جس طرح کوئی حسینہ زلف دے اپنی جھٹک
ایک اک منظر پہ جس کی آنکھ جاتی ہے اٹک
چلتے چلتے جیسے کوئی راہ رو جائے بھٹک

خطہ خطہ اس کا گویا جنتِ کشمیر ہے
گنگا اور جمنا کی اس کے آب میں تاثیر ہے
یہ کسی خوابِ مصور کی حسیں تصویر ہے
دستِ معمارِ اجنتا کی یہ اک تعمیر ہے

اُونچی اُونچی بلڈنگیں یہ نیچی نیچی جھگیاں
آریوں کی بسائی جا بہ جا یہ بستیاں
سُوتی کپڑوں کی ملیں، فولاد کی یہ فیکٹریاں
لاکھوں انسانوں کے شہروں کی گھنی آبادیاں

ہے پتہ تم کو کرامت سا یہاں نقّاد ہے
شہرِ آزر میں وہ مثلِ مانؔی و بہزاد ہے
اس کی "تنقیدِ اضافی" اک نئی ایجاد ہے
شاعرِ اردو ہے لیکن سائنس کا اُستاد ہے

ہے کوئی بڑھ کر اٹھالے جو "شعاعوں کی صلیب"
کون ہے عیسیٰ جسے اعجاز ہو ایسا نصیب
غور سے پڑھ لے جو اس کو کوئی شاعر یا ادیب
اس کو پائے گا وہ اپنی شہ رگِ دل کے قریب

☆☆☆

مادام

(بنام ستیا کور)

واہ کتنی حسین، ہیں مادام
سر بہ سر مہ جبین، ہیں مادام
زلف جیسے کہ آبشار گرے
پھولوں پہ بھنوروں کی قطار گرے
چوڑی اور صاف ستھری پیشانی
مہر اور ماہ کی درخشانی
جھیل جیسی حسین آنکھیں ہیں
شاخِ صندل سی نرم بانہیں ہیں
چال جنگل میں جیسے مور چلے
جانب ماہ جوں چکور چلے
دانت جیسے انار کے دانے
ہونٹ جیسے ہوں مے کے پیمانے
گفتگو جیسے جل ترنگ بجے
ہر نفس میں رباب و چنگ بجے
یہ چلیں جب تو کائنات چلے
ان کے قدموں تلے حیات چلے

ایک ہے شمع لاکھ پروانے
ایک عورت ہزار دیوانے
اور پہلو میں ان کے جو دل ہے
عاشقوں کو چراغِ منزل ہے
ایک مدت سے یہ ہراساں ہیں
جیسے یہ شمعِ بے شبستاں ہیں
یعنی رسمِ طلاق سے رنجور
حقِ نسواں کے عاق سے مجبور
ان پہ شوہر نے ظلم ڈھایا ہے
ایک اوباش نے ستایا ہے
ہے کہاں آج امریتا پریتم
قصۂ درد کردے پھر سے رقم
قبر سے اٹھ کے آئیں وارث شاہ
ایک عورت ہوئی ہے پھر سے تباہ
لُٹ گئی پھر سے دخترِ پنجاب
سوہنی پھر سے ہوگئی غرقاب
پھر سے اک ہیر ہوگئی رُسوا
ایک پنو ہوئی سسّی سے جدا
صاف چوڑا گداز سینہ ہے
اس پہ اک شال پاشمینہ ہے

☆☆☆

مائکرو کہانی

کتنی ہی جوہری شعاعوں کی
یہ جو اک مائکرو کہانی ہے
عصرِ نو کی یہ نوحہ خوانی ہے

نیا انداز اور نیا اسلوب
عہدِ نو کا یہ کارنامۂ خوب
مشرق و مغرب و شمال و جنوب
سب کا محبوب سب کو ہے مرغوب
ہر جگہ اس کی قدر دانی ہے

ایک اِک حرف ایک پیکر ہے
ایک اِک لفظ ایک منظر ہے
ایک اِک جُملہ ایک دفتر ہے
جو عبارت ہے سچ کا نشتر ہے
منفرد لہجہ، خوش بیانی ہے

قصۂ مرگ و زندگی بھی ہے
کربِ اور کرب آگہی بھی ہے
سرکشی اور بندگی بھی ہے

مریخ

نئی زمیں کو جو بالکل قریب سے دیکھا
ہر ایک شہر کو چشمِ عجیب سے دیکھا
ہر ایک چیز کو لہسن و گورکی کی طرح
ہر ایک قصبہ کو چشمِ ادیب سے دیکھا
اک ایک گاؤں کے غربت نصیب لوگوں کو
سسکتے، روتے بلکتے قریب سے دیکھا
امیرِ شہر کو اپنے لباس کی خاطر
کفن بھی چھینتے جسمِ غریب سے دیکھا
وطن میں رام کے، مسجد کے ایک گنبد کو
شکستہ حال مقامِ خطیب سے دیکھا
نظام، زر کا ہے جمہوریت کے پردے میں
ستم عوام پہ ہوتے جریب سے دیکھا
یہ کارگاہِ جہاں قتل گاہِ آدم ہے
مثالِ عیسیٰ مقامِ صلیب سے دیکھا
یہاں کی ندیوں کو جنگل کو اور پہاڑوں کو
زہے نصیب کہ اپنے نصیب سے دیکھا

جگہ جگہ پہ تو اتنا مُہیب منظر تھا
ٹھہر ٹھہر کے نگاہِ نجیب سے دیکھا
ہوا جو قصبۂ گجرات سے گزر میرا
ہزاروں گھر کو سُلگتے قریب سے دیکھا
لٹے لٹائے فلسطین کے مہاجر کو
نگاہِ نم سے درِ تل ابیب سے دیکھا

پتہ چلا کہ یہ دنیا ہے شہر یاروں کی
یہاں پہ لاشیں سلگتی ہیں غم کے ماروں کی
بلادِ روس ہو، چین و عرب کہ امریکہ
یہاں پہ اب بھی حکومت ہے تاج داروں کی
غرض کہ جنگ کے بادل سے اب فرار نہیں
یہاں کسی کو کسی پل ذرا قرار نہیں
میں جارہا ہوں مگر لوٹ کے پھر آؤں گا
زمیں کو چاند سے بڑھ کر حسین پاؤں گا

☆☆☆

شاہِ سلیم نمبر ہے

("سہیل" گیا کے رضا اشک نمبر پر اظہارِ تشکر)

جناب اشک کا یہ جو ضخیم نمبر ہے
مری صدی کا بہت ہی عظیم نمبر ہے
تاثرات ندا، بدر و تاباں و مجروح
مجاز و فیض و قتیل و ندیم نمبر ہے
بیاضِ شاعرِ حسن و جمالِ نورِ جہاں
صریرِ دل پہ یہ شاہِ سلیم نمبر ہے
خوشا یہ ساعتِ مسعود، منظرِ محمود
"سہیل" کا یہ جو جشنِ شمیم نمبر ہے
تاثراتِ کرامت، قمر، حسن، نارنگ
بڑا وقیع، فہیم و علیم نمبر ہے
یہ کہ فسانہ گرِ جلوۂ انار کلی
حضورِ شہ میں بتانِ حریم نمبر ہے
جہاں سموم کی صرصر کی کل نمائش تھی
وہیں پہ باغ میں بادِ نسیم نمبر ہے

قلم کی سیف سے یہ آخری لڑائی ہے
یہ فن کی تیسری جنگِ عظیم نمبر ہے
یہاں سے ڈھونڈیں گے کل راہ قافلے والے
یہ رودِ نیل میں ضربِ کلیم نمبر ہے
ہر ورق جو یہ شاعر کا اک مرقع ہے
دیا کے ہاتھ میں شکرِ نسیم نمبر ہے
روایتِ فنِ میرا و امجد و راشد
اسی ادب کا یہ رسمِ قدیم نمبر ہے

☆☆☆

ہمسر

دیارِ ہند میں وہ مارکس اور لینن کا ہمسر ہے
وہ اپنے عہد کا اک رام، شنکر، تیرتھنکر ہے

حقیقت تو یہی ہے جنتا دل کی جان ہیں لالو
اب اپنے آپ میں گن تنتر کی پہچان ہیں لالو
نئے یُگ میں نئے بھارت کا اِک نرماں ہیں لالو
مخالف کے لئے اِک جنگ کا اعلان ہیں لالو

زبانِ ذہنِ خاص و عام پر اُن کا قصیدہ ہے
شنیدہ کے عوض اب شخصیت اُن کی بھی دیدہ ہے

وہ دیکھو کس قدر ہے پُر بہار ب یہ بہار اپنا
زمیں اپنی، کساں اپنے، مکیں اور کامگار اپنا
برہمن، شُدر، کھتری، نائی، بھنگی اور چمار اپنا
بسیں، سڑکیں، ملیں، مزدور، مالک، ٹھیکیدار اپنا

رُخِ ہستی پہ خوشحالی سے رنگِ شادمانی ہے
گزشتہ دور کی بدحالی گم گشتہ کہانی ہے

نئی ایجاد اِس کی بالکل ہے "اسکول پُرواہا"
جو تھے کل دُھول وہ اب بن گئے ہیں پھول پُرواہا
جہازِ علم و فن کے بن گئے مستول پُرواہا
تھے نا معقول کل اب بن گئے معقول پُرواہا

مبارک باد تجھ کو اے گُلِ شاداب پھلوریا!
مبارک جنگِ آزادی کے روشن باب پھلوریا!
مبارک بربطِ ہستی کی اے مضراب پھلوریاں!
مبارک تاجِ گیتی کے دُرِ نایاب پھلوریا!

پھلے پھولے رہے آباد پھلوریا کی پھلواری
سدا شہرِ محبت میں رہے جوئے وفا جاری
☆☆☆

میں جیون ہوں

جیون ہوں مرا انت نہیں، میں اننت ہوں
اس پار کل تھا اور ابھی اس پار میں ہی ہوں
گیتا، پران، وید کی گریما مجھی سے ہے
شبدارتھ، چھند، رچنا، النکار میں ہی ہوں
سانسوں میں پل رہی ہے مرے راگ راگنی
دھرپد، خیال، ٹھمری اور ملہار میں ہی ہوں
جیون مرن کی کایا اور مایا مجھی سے ہے
ارشا، گرودھ، کرونا، اہنکار میں ہی ہوں
ترشنا اور ترپتی مکتی و بھکتی مجھی سے ہے
شکتی، کلا اور گیان کا بھنڈار میں ہی ہوں
میدانِ کربلا و کروکشیتر میں. ہی تھا
انساں کے قتل و خون کا ہتھیار میں ہی ہوں

☆☆☆

مسودہ

(کین سارو دیوانا نجیریا کا سفید فام حریت پسند شاعر جسے وہاں کی
گوری نسل کی حکومت نے ۱۴؍نومبر ۱۹۹۵ء میں پھانسی کی سزا دے دی)

کین سارو دیوا ہوں میں نازشِ نائجیریا
میرے نغموں کی ہے زد میں براعظم ایشیا
میرے جسم و جاں کی سرحد یوروپ و آسٹریلیا
میری سانسوں میں ہے افریقہ کے جنگل کی ہوا
میری انگشتِ جنوں سے رقص میں ہے کائنات
میرے قدموں کی ہے جنبش گویا اک رقصِ حیات

کون ہے واقف نہیں جو آج میرے نام سے
کس کا دل زخمی نہیں شاعر کے قتلِ عام سے
ہوں بہت خوش آج اپنی زیست کے انجام سے
سوگیا ہوں دار پہ دیکھو یہ کس آرام سے
ہار تم کہتے ہو اس کو یہ تو میری جیت ہے
زہر پی کر مسکرانا اہلِ دل کی ریت ہے

تم سمجھتے ہو کیے پر اپنے شرمندہ ہوں میں
حال و ماضی میں بھی اب لمحاتِ آئندہ ہوں میں
آسمانِ فن پہ سیارہ سا تابندہ ہوں میں
دیکھ لو یہ دار پر بھی کس طرح زندہ ہوں میں
صبح کا سورج ہوں میں نکلوں گا پھر کل رات میں
جنگ آزادی کی یہ مشعل ہے میرے ہاتھ میں

بیڑی کی جھنکار شامل ہے مرے اشعار میں
قیدی کی للکار شامل ہے مرے اشعار میں
شیر کی ہونکار شامل ہے مرے اشعار میں
ہاتھی کی چنگھاڑ شامل ہے مرے اشعار میں
تیز تر میرا قلم کنگارو کی رفتار سے
کم نہیں میری گرج اجگر کی اک پھنکار سے

میں نے جو کچھ دیکھا سوچا اور سمجھا لکھ دیا
زندگی میں جو بھی کھویا اور پایا لکھ دیا
دشمنوں کا وار جو روحوں پہ جھیلا لکھ دیا
زندگی کو جیسا دیکھا ٹھیک ویسا لکھ دیا
کیا صلہ اس کا ملا مجھ کو یہی دار و رسن؟
کس قدر خوش ہیں ستم گر دے کے تکلیفِ بدن

مجھ کو اس کا غم نہیں گورا نہیں کالا ہوں میں
ماورائے نسل و رنگ آتش کا پرکالا ہوں میں
مردِ آہن سنگ اور فولاد کا ڈھالا ہوں میں
داغِ ماہِ لالہ ہوں دنیا کا اُجیالا ہوں میں
لکھ کے اک حرفِ جنوں دیوارِ شب پر ہات سے
اپنے جذبوں کو ملادیں سب کے محسوسات سے

زندگی جینے کا میں نے فلسفہ سب کو دیا
ہار کر بھی جیتنے کا حوصلہ سب کو دیا
جنگ کرنے کا نیا اک راستہ سب کو دیا
بے بسی میں غم میں بھی اک ولولہ سب کو دیا
کی وفا سب سے مگر مجھ کو یہ کیا سب سے ملا
بے ریائی کے عوض دھوکا، دغا سب سے ملا

بعدِ مردن قبر پہ میرے ہو یہ لکھا ہوا
اس جگہ مردِ مجاہد جو کہ ہے سویا ہوا
پیار کے بدلے اسے سب لوگوں نے دھوکا دیا
پھر بھی اس نے سب کو چاہا جب تلک زندہ رہا
آج چادر تک نہیں ہے میری تربت کے لئے
شکریہ نائیجیریا میری شہادت کے لئے

واقعہ اس میں میری ذات کا ہے
سانحہ دل کی کائنات کا ہے
مرثیہ حسن بے ثبات کا ہے
نوحہ یہ عشق کی وفات کا ہے
کشمکش زیست اور ممات کی ہے
مرحلہ غم کی کالی رات کا ہے
مسودہ یہ مری حیات کا ہے
اس کی تحریر میرے ہات کی ہے

☆☆☆

سمندر اب نہ آؤں گا

سمندر اب نہ آؤں گا
یہاں سے میں چلا جاؤں تو پھر واپس نہ آؤں گا
سمندر اب نہ آؤں گا

تری اندھی گپھاؤں سے تو یہ پربت کے گھر اچھے
مگرمچھ اور گھڑیالوں سے یہ شیر و ببر اچھے
سحر دم پنچھیوں کے سنگ اب میں چہچہاؤں گا
سمندر اب نہ آؤں گا

جہازوں کے ترے کپتانوں کا کرتوت کالا ہے
ترے ساحل کو جس نے تاجروں سے بیچ ڈالا ہے
میں بھارت باسیوں سے جا کے یہ باتیں بتاؤں گا
سمندر اب نہ آؤں گا

یہاں پر نیلے پیلے پھول جو کھلتے ہیں وادی میں
یہاں پر شانتی کے دیپ جو جلتے ہیں وادی میں
وہاں لوٹا تو پھر یہ حسنِ منظر بھول جاؤں گا
سمندر اب نہ آؤں گا

یہاں دنگا نہیں ہوتا ہے، ہندو، سکھ، مسلماں کا
یہاں پر مسئلہ اٹھتا نہیں ہے وید و قرآں کا
محبت کا شوالہ ہے یہ دنیا بھر کے انساں کا
میں ہر اک باہری حملے سے پربت کو بچاؤں گا
سمندر اب نہ آؤں گا
سمندر اب نہ آؤں گا

☆☆☆

امن کا مسیحا

نہایت قیمتی موتی تھا وہ لعل و جواہر تھا
حصارِ دجلۂ ظلمات میں سدِّ سکندر تھا
دیارِ کعبہ میں جیسے کوئی کاشی کا پتھر تھا
وہ بھارت کا مقدر تھا

زمانے بھر کے انسانوں سے الفت اس کا مذہب تھا
اہنسا، پریم اور عدل و صداقت اس کا مذہب تھا
سیاست اس کا مسلک تھا شرافت اس کا مذہب تھا
صداقت اس کا مذہب تھا

جہانِ تیرگی میں روشنی کا اک منارہ تھا
بساطِ جنگ پر وہ امن کا روشن ستارہ تھا
وہ اس خاکسترِ ہستی کا رخشندہ شرارہ تھا
وہ آزادی کا نعرہ تھا

وطن میں جنگِ آزادی کا اک بیباک لیڈر تھا
نقیبِ گوتم و گاندھی حریفِ زار و قیصر تھا
رفیق و بسمل و آزاد تھا وہ چندر شیکھر تھا
نئی منزل کا رہبر تھا

نئے بھارت کا جن نایک جنم داتا تھا اک نہرو
غلامی میں بھی آزادی کا ترانہ تھا اک نہرو
نیا سورج نئے یگ کا مہا گاتھا تھا اک نہرو
بھوش گیاتا تھا اک نہرو

ہم اس کے جادہ پر منزل بہ منزل بڑھتے جائیں گے
ہم اس کے خواب سے تعبیر صدہا گڑھتے جائیں گے
ہم اس کی رفعتوں تک زینہ زینہ چڑھتے جائیں گے
رجز ہم پڑھتے جائیں گے

عبدالسلام سے

(ایک مصور دوست کے نام)

پوچھا یہ جا کے میں نے کل عبد السلام سے
کیوں منحرف ہیں آپ خدا کے کلام سے
ہے وقت اب نماز کا پر میکدہ میں آپ
ساغر سجائے بیٹھے ہوئے ہیں یہ شام سے
بولے خدا گواہ، نہیں منکرِ نماز
انکار کس کو ہے بھلا اس نیک کام سے
پر کیا کروں کہ ملتی ہے تحریکِ زندگی
اس میکدہ میں بیٹھ کے مینا و جام سے
گر مے نہیں تو لگتی ہے بے کیف یہ حیات
واقف نہیں ہیں آپ مصوّر کے کام سے
مجھ سے خفا خفا سے ہیں گو اس جگہ کے لوگ
پر رابطہ تو ہے مرا ہر خاص و عام سے
گر مے نہیں تو میرے یہ شہکار بھی نہیں
واقف نہ ہو کوئی مری شہرت سے، نام سے

☆☆☆

سحر ہونے تک

اس سے پہلے کہ خاک ہوجاؤں
حصۂ ارضِ پاک ہوجاؤں
قبرِ مالک پہ بن کے اک کندہ
نوحۂ دردناک ہوجاؤں
بھڑکوں ظلمات میں شرر بن کر
منظرِ تابناک ہوجاؤں

اس سے پہلے کہ خاک ہوجاؤں
دیمکوں کی خوراک ہوجاؤں
بن کے مقتول میں فریدوں سا
یادِ ظلمِ ضحاک . ہوجاؤں
مسلکِ چارہ‌ٔ اک اپنا کر
عظمتِ چارہ‌ٔ اک ہوجاؤں

اس سے پہلے کہ خاک ہو جاؤں
لہجۂ پُرتپاک ہو جاؤں
جسم یہ قاش قاش ہو جائے
ٹوٹ کر پاش پاش ہو جائے
راز بن کر کسی کے سینے کا
مدعا میرا فاش ہو جائے

☆☆☆

کیوں میں قلم کار لکھوں

شاعری گھر تجھے افلاک نہیں دے سکتی
شاعری روح کی خوراک تو ہوسکتی ہے
شاعری جسم کو پوشاک نہیں دے سکتی
شاعری زر تجھے لولاک نہیں دے سکتی
دل کو یہ حسرتِ بلقیسؔ تو دے سکتی ہے
تخت اور تاج سلیمان نہیں دے سکتی
شاعری ہاتھ میں تیشہ تو تھما سکتی ہے
قصرِ پرویز مری جان نہیں دے سکتی
کون پوچھے یہ بھلا رتبۂ فردوسی سے
شاعری دولت سلطان نہیں دے سکتی
بسترِ غم پہ لہو تھوک کے مرجانے تک
یہ کوئی جینے کا سامان نہیں دے سکتی،
شاعری عظمتِ شہکار تو ہوسکتی ہے
شاعری رفعتِ گفتار تو ہوسکتی ہے
شاعری پھول اور تلوار تو ہوسکتی ہے
شاعری ٹیپوؔ کی للکار نہیں ہوسکتی
شاعری راناؔ کا ہتھیار نہیں ہوسکتی

پل میں یہ قوم کی قسمت کو بدل دے تو کہوں
برف میں آگ کے شعلوں سی غزل دے تو کہوں
شاعری مسئلۂ جنگ کا حل دے تو کہوں
باتِ جب یوں ہے تو میں کیوں بھلا اشعار لکھوں
غالبؔ و میرؔ کا میں خود کو پرستار لکھو
مردہ شاہوں کے قصائد سرِ دربار لکھوں
کیا ضروری ہے کہ میں خود کو قلم کار لکھوں
کیوں بھلا کس کے لئے اشکؔ کو فنکار لکھوں

سکندر

کہتے ہیں وقتِ مرگِ سکندر اداس تھا
دو گز کفن کا ٹکڑا ہی اس کا لباس تھا
کچھ زر، زمین، زن نہ تو لشکر ہی ساتھ تھا
گزرا تھا جب جہاں سے تو وہ خالی ہاتھ تھا
غافل یہی ہے دیکھ لے انجامِ زندگی
کل صبحِ زندگی تھی، اب ہے شامِ زندگی

فنکار کے گھر میں

دو وقت کی روٹی نہیں فن کار کے گھر میں
غلوں کا ذخیرہ ہے زمیندار کے گھر میں
دولت کا اک انبار ہے سرکار کے گھر میں
سکوں کی فراوانی ہے غدار کے گھر میں
اک وار، بس اک وار ستمگار کے گھر میں
اک ضرب، بس اک ضرب جفا کار کے گھر میں
اک چوٹ، بس اک چوٹ گنہ گار کے گھر میں

خوشی

خوشی اس سرزمیں پر آسمانوں سے نہیں آتی
یہ شے ہے ایں جہانی آنجہانوں سے نہیں آتی
خوشی کی راگنی دھرتی کے سازوں سے نکلتی ہے
خوشی تو کارخانوں کے ہی ٹکسالوں میں ڈھلتی ہے
خوشی تو سیب اور انگور کے باغوں میں پھلتی ہے
خوشی تو احمریں پرچم پر ہنسیا اور ہتھوڑا ہے
خوشی وہ ہے کہ جس سے سینۂ دہقانوں کا چوڑا ہے
خوشی تو ماں کا آنچل، باپ کا اوڑھنا، بچھونا ہے
خوشی بیوی کا اور بچوں کا اک بستر پہ سونا ہے
خوشی گھر میں بہو بیٹی کا سینا اور پرونا ہے
خوشی تھرمل کے تاروں سے جڑا اک ٹرانسفرمر ہے
خوشی کمرے کے اندر موسمِ سرما میں ہیٹر ہے
خوشی ریلوں کی اجلی پٹریوں پہ چلتی گاڑی ہے
خوشی تو جادۂ ہستی میں لاکھوں کی سواری ہے
خوشی غلوں کے بوروں سے لدی اک ہیوی لاری ہے

خوشی ان حکمرانوں کے بیانوں سے نہیں آتی
حکومت کے یہ خالی سمبدھانوں سے نہیں آتی
خوشی وزراء کے فرضی داستانوں سے نہیں آتی
خوشی دہقان اور مزدوروں کی محنت کا ثمرہ ہے
خوشی پر دنیا کے ان سارے انسانوں کا حصہ ہے

مثلث کا قیدی

(3Ps یعنی پریس، پولیس اور پبلک کے موضوع پر ایک سیمینار میں پڑھی گئی)

یہ کاغذ پہ یہ گروی قلم، لفظوں کے سوداگر
حکومت کے کرائے پر یہ مٹھن کاڑھے ہوئے اجگر
دکھوں کا بوجھ یہ سہتے ہوئے معصوم پیغمبر
یہ گاڑی چل رہی ہے کب سے ان ہی تینوں پہیوں پر

''میں کاغذ کے سپاہی کاٹ کر لشکر بناتا ہوں''
کوئی منظر نہیں بنتا تو پس منظر بناتا ہوں

زندگی

میں ملا اک امیر زادے سے
اور پوچھا کہ زندگی کیا ہے
بولا خوش رنگ پھول ہے بابا

میں ملا مفلسِ جفا کش سے
اور پوچھا کہ زندگی کیا ہے
بولا شاخِ ببول ہے بابا

میں ملا اک بڑے مفکر سے
اور پوچھا کہ زندگی کیا ہے
بولا شوقِ فضول ہے بابا

میں ملا راہبِ کلیسا سے
اور پوچھا کہ زندگی کیا ہے
بولا قتلِ رسول ہے بابا

میں ملا اک حرم کے مرشد سے
اور پوچھا کہ زندگی کیا ہے
"نیکیوں کا حصول" ہے بابا

دعاء کی حاجت

خدایا یہ مری ہستی تری امانت ہے
یہ مال و زر یہ اثاثہ تری ودیعت ہے
میں مشتِ خاک ہوں اور خاک کی بساط ہی کیا
ترے ہی دم سے یہ نام و نمود و شہرت ہے
بنائی دھوپ تو بادل سجادیا سر پر
بوقتِ ژالہ، زمستاں، لحاف اور چھت ہے
تو مارتا ہے، جلاتا ہے اور کھلاتا ہے
ہر ایک کارِ جہاں مرضی مشیت ہے
نہ چاہے تو، تُو یہ پتہ بھی ہل نہیں سکتا
یہ امتزاجِ عناصر بھی تیری حکمت ہے
بڑا کرم ہے جو ہوں باپ چار بچوں کا
ترے ہی فیض سے یہ ہفت خوانِ نعمت ہے
تری اک ادنیٰ سی بخشش قلم کی جولانی
تری ذرا سی نوازش سے فن کی جدت ہے
ترا ہی عطیہ ہے احساس اور بصیرت بھی
تیرے کرم سے میرا نطق اور سماعت ہے

جو تو خفا ہے تو دنیا بھی اک جہنم ہے
اگر تو خوش ہو تو گھر میرا رشکِ جنت ہے
میری حیات عبارت تری عبادت سے
مرے خدا مجھے تجھ سے بڑی محبت ہے
مگر صحت کو گنوا کر یہ سوچتا ہوں میں
مجھے دعاء کی نہیں اب دوا کی حاجت ہے

☆☆☆

ایک ہی سوال

بس ایک ہی سوال ہے یہ ارضِ پاک سے
بس ایک ہی سوال ہے بھارت کی خاک سے
کیا ہورہا ہے آج چرار شریف میں
یہ کون سو گیا ہے مزار شریف میں
یہ کیسی جنگ جاری ہے سرحد کے نام پر
ظلم و ستم یہ کیسا وہاں کی عوام پر
بستی میں جس نے آگ لگائی وہ کون ہے
غیرت کی لاش جس نے اٹھائی وہ کون ہے
مجرم ہے کون ان میں خطا کار کون ہے
مندر کو دھونش کرنے کا غدار کون ہے
غفار خاں کی روح کو ڈستی ہے سرکشی
گاندھی کی چیخ سن کر لرزتی ہے زندگی
جو خواب نور الدین تھا اس خانقاہ میں
کس نے بدل دیا ہے اسے قتل گاہ میں

سنتوں کی، صوفیوں کی برہمن کی یہ زمیں
مجرم ہے ان میں کون، گنہگار کون ہے
اک سنسنی سی پھیل گئی ہے یہاں وہاں
سچ بولتا ہے آج جو اخبار کون ہے؟
یہ داستاں لکھے وہ قلمکار کون ہے

ایک آرزو

مرے خدا میرے ہر رنج و غم کو حل کردے
جو دل پہ داغ لگے ہیں اسے کنول کردے
غریبِ شہر ہوں کب سے دیارِ غربت میں
اٹھے جو آہ جگر سے اسے غزل کردے
میں کوئی شاہ نہیں پھر بھی میری عصمت کو
وفا کا تاج اور ممتاز کا بدل دے
میں اس کے واسطے فن کا بناؤں تاج محل
مرے وجود کو ایک تیشۂ عمل کردے
اگرچہ یہ نہیں ممکن تو پھر مرے معبود!
اسے دمیتی بنادے، مجھے نَوَل کردے
وہ مجھ کو موت کے ہاتھوں سے چھین لے بڑھ کر
مری حیات کو تو فاتحِ اجل کردے
اب اس کے بعد بھی لپکوں کسی بدن کی طرف
یہ بازو کاٹ لے اور پاؤں میرے شل کردے

☆☆☆

اتہاس نیا

بھیج دے ایشور اس کل یُگ میں پھر اک تُلسی داس نیا
خون سے اپنے جو لکھے گا رامؔ کا اِک بنواسؔ نیا
سونے کی لنکا بھی وہی ہے وہی ہے شاسن راون کا
میگھ ناتھ نکلا ہے بدل کر پھر سے ایک لباسؔ نیا
دریودھن اور کنسؔ بہت ہیں کوئی مگر گھنشیامؔ نہیں
یہ کیسی لیلا ہےؔ پھر اس یُگ میں کوئی رامؔ نہیں
ہے کوئی ہنومانؔ کہ جو ٹکرائے سَمے کے دُشمنوں سے
شوست، پیڑت مانوتا کو مُکت کرائے دُشٹوں سے
بھیج دے ایشور پھر دھرتی پر والمیکی اور ویاسؔ نیا
جو اس کل یُگ کا لکھے گا پھر سے اک اتہاس نیا

☆☆☆

ٹولیٹ

(To-Let)

کہاں ہے وہ ٹولیٹ ہمارا؟
دیکھو خالی پیٹ ہمارا
بک گیا اب اسٹیٹ ہمارا
ہیٹ نہیں ہے پینٹ نہیں ہے
گھٹ گیا کتنا ریٹ ہمارا
کوٹ، قمیص اور بوٹ نہیں ہے
کل تھا ہیوی ویٹ ہمارا
گھر تھا ہمارا چاندی جیسا
سونے کا تھا گیٹ ہمارا
زنگ شدہ اک فیت اب ہے
کل تھا مگ اور جیٹ ہمارا
کدھر گئی وہ نام کی تختی
کہاں ہے وہ ٹولیٹ ہمارا

☆☆☆

خط آیا ہے

قصۂ گودھرا، گجرات کا خط آیا ہے
خونِ بسمل سے رنگے ہات کا خط آیا ہے
نوعِ انسان کی پُر امن حسین وادی میں
اشک اور خون کی برسات کا خط آیا ہے
گاندھی، گوتم کے پیامات کے گہوارے میں
زار و ہٹلر کے نظریات کا خط آیا ہے
سنتے ہیں گور میں ہے روحِ شہیدی بے چین
قبر سے یاسرِ عرفات کا خط آیا ہے
پاس، اربابِ سیاست کے نہیں جن کا جواب
ایسے ہی چند سوالات کا خط آیا ہے
بے خطا کتنے ہی اس ملک کے انسانوں کے
جیل اور سیل، حوالات کا خط آیا ہے
مسجدوں کے کئی محرابوں اور دیواروں پہ
گہرے بولٹ کے نشانات کا خط آیا ہے
جن سے دنیا کی تباہی کا بھی اندیشہ ہے
مجھ کو چند ایسے ہی خدشات کا خط آیا ہے

کتنے ہی بھائیوں بہنوں کے، کئی ماؤں کے
کچلے، روندے ہوئے جذبات کا خط آیا ہے
میں نے سب خط کو اندھیرے میں دبا رکھا ہے
دنیا والوں کی نگاہوں سے چھپا رکھا ہے

دفعتاً ایک قبر پھٹتی ہے
اس میں سے ایک مُردہ اُٹھتا ہے
دیر تک آسماں کو تکتا ہے
اور پھر خود سے بات کرتا ہے

اے خدا ہے عظیم ذات تری
کیا حسیں ہے یہ کائنات تری
دن تری ملکیت ہے، رات تری
سب ترے، سب کی ہے حیات تری

یہ زمیں، آسمان، سیارے
چاند، سورج، شفق، دھنک، تارے
اور ساگر کا تٹ، یہ فوارے
تتلیاں، پھول اور انگارے

یہ ہوا، دھوپ، سائے اور بادل
جیسے محبوب کا حسیں آنچل
جیسے عاشق کے گَون کا مخمل
جس طرح سے رقیب کا قُرغل

ہاتھ کٹ گیا

فرسودہ اک سماج بدلنے کی بات تھی
اک شہ کا تخت و تاج بدلنے کی بات تھی
ظلم و ستم کا راج بدلنے کی بات تھی
انسان کا مزاج بدلنے کی بات تھی

زنجیر کو جو کاٹتا، وہ ہاتھ کٹ گیا
بڑھتا ہوا جہاد کا دستہ پلٹ گیا

☆☆☆

رابندر ناتھ ٹیگور

رات کی تنہائی میں پڑھتا ہوں جب ''گیتانجلی''
ایسا لگتا ہے مجھے ٹیگور زندہ ہیں ابھی
ایسا لگتا ہے کہ وہ بیٹھے ہیں میرے روبرو
ایسا لگتا ہے کہ وہ کرتے ہیں مجھ سے گفتگو
ایسا لگتا ہے کہ ہیں وہ رہ گزر در رہ گزر
لمحہ لمحہ، پل بہ پل پیہم ہیں میرے ہم سفر
میں ہوں ان کے روبرو اور وہ ہیں میرے راہبر
مجھ سے وہ کہتے ہیں کہ پڑھ لو میرے اشعار کو
مجھ سے وہ کہتے ہیں کہ سمجھو میرے افکار کو
ایسا لگتا ہے وہ خود کویتا سناتے ہیں مجھے
اور اس کے بعد پھر معنی بتاتے ہیں مجھے
مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ تم سمجھو تو میری بھاؤنا
چاند اور سورج سے بھی اونچی ہے میری کلپنا
بندھ، ہماچل، یمونا، گنگا گم ہیں میرے کاویہ میں
اچھل، اچھل جلدھی ترنگا، گم ہے میرے کاویہ میں

مرتیو اور جیون کا وہ معنی بتاتے ہیں مجھے
پرتھوی سے سُورگ کا رستہ دکھاتے ہیں مجھے
وہ پُنت اک آتما محسوس ہوتے ہیں مجھے
وہ مجھے اپنا پتا محسوس ہوتے ہیں مجھے
مجھ میں گم ہوجاتی ہے پھر ان کی انتر آتما
اُن کی ہر آوز بن جاتی ہے خود میری صدا
پھر اچانک نظروں سے مستور ہوجاتے ہیں وہ
کرتے کرتے بات، اتنی دور ہوجاتے ہیں وہ
صبح ہوجاتی ہے میں رکھ دیتا ہوں گیتانجلی
پِرَتما کو ان کی ارپت کرتا ہوں شردھانجلی

☆☆☆

پھول کھلے لالہ زار میں

شاخِ ستم پہ بیٹھی تھی اک تتلی سم زدہ
پوچھا یہ اس سے پھول نے تو کیوں ہے غم زدہ
سن کر یہ بات تتلی نے اس پھول سے کہا
دیکھا نہیں ہے تو نے؟ ہے نرگس بھی نم زدہ
جلتے ہوئے چنار ہیں کیا دیکھتا نہیں
شعلوں میں لالہ زار ہیں کیا دیکھتا نہیں
کل سطحِ آب ڈل پہ تھے کھلتے ہوئے کنول
واں صبح و شام چلتی ہے اب کشتیِ اجل
جہلم میں ہاؤس بوٹ، شکارا اُداس ہے
شاداب، دلفریب نظارہ اُداس ہے
بیٹھی ہوں میں تو کب سے اسی انتظار میں
شاید کہ پھر سے پھول کھلیں لالہ زار میں
یہ زعفران، سیب، یہ شہتوت کا چمن
نیم اور ببول بیر کا لگتا ہے اب تو بن
صحنِ نشاط باغ، خیابانِ شالامار
نور جہاں سے شاہ کی چاہت کی یادگار
حدِ نگاہ تک جو یہ صحرا کی دھول ہے
یہ شاخِ گل ہے یا کہ یہ شاخِ ببول ہے

☆☆☆

اضطراب والتہاب

کیف و غم وصل و انتظار بھی ہے
آتشِ چیڑ و دیو دار بھی ہے
سرو اور سایۂ چنار بھی ہے
برف کی بھی شرر فشانی ہے
پریمؔ، بنکمؔ سے ٹالسٹائی تک
زنداں نامہ سے یہ اِکائی تک
نوعِ انساں کی اِس دہائی تک
کتنے یگ کی امٹ نشانی ہے
پیٹ کا ویٹ نام جلتا ہے
دل کا دار السلام جلتا ہے
کیوبا، پنہہ نام جلتا ہے
پانچ ملک اور اک کہانی ہے
خواب ہے اور شکستِ خواب بھی ہے
آب ہے اور یہ سراب بھی ہے
اضطراب اور التہاب بھی ہے
دھوپ اور سایۂ گلاب بھی ہے
یورشِ مرگ و زندگانی ہے

☆☆☆

ڈاکٹر محمد حسن

آج اک بڑا ادیب ہمارا چلا گیا
سارے جہاں کے آنکھوں کا تارا چلا گیا

تمثیل۔ و نظم و نثر کا مہتاب بجھ گیا
اردو ادب کا راج دُلارا چلا گیا

سردارؔ و فیضؔ و ساحرؔ و مخدومؔ کا رفیق
کیفیؔ کا اور مجازؔ کا پیارا چلا گیا

راحتؔ، بشیر بدرؔ، ندا اور شہریارؔ
سب نے اسے ہزار پکارا، چلا گیا

ساحل پہ سب کھڑے ہوئے منہ دیکھتے رہے
دریا کو چیرتا وہ شکارا چلا گیا

گم صم ہمالیہ ہے تو گنگا خموش ہے
ہوانگ ہو اور والگا کا کنارہ چلا گیا

انسانیت کی عالمی تحریک دب گئی
جمہوریت کا قوم کا دھارا چلا گیا

شیدا تھا جو حفیظ و ندیم و قتیل کا
احمد فراز کا وہ دُلارا چلا گیا

جو نازِ احتشام تھا فخرِ سرور تھا
وہ چشمِ دور بیں کا اشارہ چلا گیا

پروردۂ خیال وہ لینن کا مارکس کا
روس اور چین کا وہ نظارہ چلا گیا

برسوں سے تھا جو سینۂ سرمایہ کی چُبھن
ہستی کا ایسا ایک شرارہ چلا گیا

تنقید و فکر و فن کی بساطیں الٹ گئیں
عصری ادب کا ایک شمارہ چلا گیا

غالب، ظفر کی ذوق کی دلی اُجڑ گئی
روشن تھا جو ادب کا منارہ چلا گیا

انگریزی، ہندی، کنڑ زباں کا سخن شناس
تثلیثِ آگہی کا اشارہ چلا گیا

آزاد، حالی، شبلی کی تحریر کا امیں
اقبال، میر و جوش ہمارا چلا گیا

باہیں پکارتی رہیں، آنکھوں نے دی صدا
وہ زندگی کا اک تھکا ہارا چلا گیا

تحقیق کا وہ باب تھا جو بند ہوگیا
تنقید کا تھا ایک بیپارا چلا گیا

سو سے زیادہ جو کہ کتابوں کا تھا ادیب
آج اک ادیب ایسا ہمارا چلا گیا

اک غمگسارِ دہقاں و مزدور اُٹھ گیا
تھا مُفلسوں کا جو کہ سہارا چلا گیا

دلی سے لکھنؤ سے علی گڑھ سے روٹھ کر
دانش کا جگمگاتا ستارہ چلا گیا

ڈھونڈے گا اُس کو برسوں جگر کا دیار اب
خاکِ وطن کو جس نے سنوار چلا گیا

یہ کیسا التزام ہے اے دورِ زندگی!
آیا یہاں وہ آکے دوبارہ چلا گیا

اردو ادب کا گویا وہ اک سنگ میل تھا
صحرائے خامشی میں ندائے رحیل تھا

بزمِ لوح و قلم

(وزیر اعلیٰ اور صدر بہار اردو اکیڈمی جناب غلام سرور کی سمستی پور آمد پر)

میں بزمِ لوح و قلم ہوں ادب کی محفل ہوں
ادیبوں، شاعروں، دانشوروں کی منزل ہوں

سرورؔ و شبلیؔ و چکبستؔ کی حکایت ہوں
میں میرؔ و غالبؔ و اقبالؔ کی روایت ہوں

میں جوشؔ و فیضؔ کی مخدومؔ کی امانت ہوں
میں کرشنؔ و بیدیؔ و منٹوؔ کے فن کی عظمت ہوں

میں پریم چندؔ کی بنکمؔ کی اک کہانی ہوں
میں ٹالسٹائیؔ و ٹیگورؔ کی نشانی ہوں

ہمارے عہد نے ٹھکرادیا ہے پھولوں کو
گلاب و لالہ کے رُتبے ملے ببولوں کو

جبینِ لوح پہ خونِ قلم کا غازہ ہے
یہ جشنِ فن نہیں، فنکار کا جنازہ ہے

میں پوچھتا ہوں یہ قوم و وطن کے رہبر سے
میں ہو رہا ہوں مخاطب غلام سرور سے

زمینِ شور پہ ابرِ کرم کی بارش کیوں؟
مرے چمن میں فقط دھوپ کی نمائش کیوں؟

☆☆☆

گرانتی دُوت

(حوالہ کانڈ سے پہلے)

بساطِ ہند پر کیا اشک لاؔلو کی حکومت ہے
یہ اپنی خوبیوں میں نازشِ انوارِ جنت ہے
نیا اندازِ حکمت ہے، نئی اس کی سیاست ہے
جہاں کے گھُپ اندھیروں میں یہ اک مینارِ عظمت ہے

کریں گے اس سے کل کسبِ ضیاء ہندوستاں والے
نئی آب و ہوا مانگیں گے اس سے پھر جہاں والے

وہ اک مجملۂ اوصاف، پیکر ہے شجاعت کا
زمانہ معترف ہے اس کی قوت اور جسارت کا
فسانہ مشتہر ہر سمت ہے اس کی قیادت کا
بہت چھوٹا نظارا ہے یہ اس کے عزم و ہمت کا

ہر اک جانب ہے اب بھارت میں جئے جئے کار لاؔلو کی
مبارک قوم کی کشتی کو اب پتوار لاؔلو کی

ابھی کرنا ہے کوسوں دور تیشے کا سفر اس کو
ابھی پیشِ نظر ہے پتھروں کی رہگزر اس کو
گزرنا ہے ابھی منزل بہ منزل آگ پر اس کو
ابھی لڑنا ہے طوفانوں سے بے خوف و خطر اس کو

حصارِ کنش و دریودھن میں کانہا کا ارادہ ہے
وہ سنگِ میل سا جادہ بہ جادہ ایستادہ ہے

نظامِ فکر، وابستہ ہے ذوقِ رونمائی سے
جو نہ واقف ابھی تک تھے لکھائی اور پڑھائی سے
انہیں واقف کرایا ہے قلم اور روشنائی سے
بٹھایا مسند زر پر ادیبوں کو چٹائی سے

نہ وہ بدحالی ہے اَب اور نہ ویسی تنگ دستی ہے
ذرا دیکھو تو چل کے کیسی چرواہوں کی بستی ہے

مجھے ہے یاد ٹکرانا وہ اس کا ٹی۔ این۔ سیشن سے
روش دہرائے کوئی اب نہ آئندہ الیکشن سے
دلِ جمہوریت کیا ہے کوئی پوچھے یہ لنکن سے
پگھلتا ہے کہیں فولاد بھی لکڑی کے ایندھن سے

☆☆☆

بغاوت

جہاں میں، میں بغاوت چاہتا ہوں
بھگت سنگھ سی شہادت چاہتا ہوں
کنور سنگھ سی میں ہمت چاہتا ہوں
میں آقا کی سی جرأت چاہتا ہوں
میں ٹیپو سی جسارت چاہتا ہوں
میں دنیا میں قیامت چاہتا ہوں

سرافیل آئے، آکر صور پھونکے
یہ تخت و تاج کوہِ نور پھونکے
نظامِ گلشنِ جمہور پھونکے
غلط آئین اور دستور پھونکے

بغاوت، وہ ستونِ دار ٹوٹے
بغاوت، ظلم کی دیوار ٹوٹے
بغاوت، جنگ کا ہتھیار ٹوٹے
بغاوت، شمر کی تلوار ٹوٹے

بغاوت، اس زمیں اور آسماں سے
بغاوت، اس جہاں اور اُس جہاں سے
بغاوت دشمنِ امن و اماں سے
بغاوت، ظلم کے آتش فشاں سے

بغاوت، لمحہ لمحہ، ہر نفس ہو
بغاوت، رُوز و شب، دو سو برس ہو
بغاوت، جس میں دوزخ کی اُمس ہو
بغاوت، از چمن تا ہر قفس ہو

بغاوت، آسماں سے آگ برسے
بغاوت، ہر سو کالا ناگ برسے
بغاوت، وہ فضا سے جھاگ برسے
بغاوت، لب سے دیپک راگ برسے

☆☆☆

محبت

تجھے اے جانِ من میں جانتا ہوں
بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں
مجھے محبوب تو مانے نہ مانے
تجھے معشوق میں گردانتا ہوں
تو میری زندگی کی ہے ضرورت
مجھے ہے جانِ من تجھ سے محبت

محبت دردِ دل کی اک دوا ہے
محبت زندگی کا مدعا ہے
محبت بندگی کی انتہا ہے
محبت اِک صدائے کبریا ہے
حقیقت میں محبت ہی خدا ہے

محبّت قیسؔ کی روداد بھی ہے
محبت تیشۂ فرہاؔد بھی ہے
محبت لیلیٰؔ کی فریاد بھی ہے
محبت شیریںؔ کی افتاد بھی ہے

محبت سیتا کا بن باس بھی ہے
محبت رام کا اتہاس بھی ہے
محبت روح و جاں کی پیاس بھی ہے
محبت تلسی کا احساس بھی ہے

خدا تک ہے محبت کی رسائی
فرشتوں نے ہے دی اس کی دہائی
ہے اس کی زد میں یہ ساری خدائی
اسی سے شہرِ دل کی ہے صفائی

محبت ورڈس ورتھ کی زندگی ہے
محبت شیلی کی دیوانگی ہے
محبت کیٹس کی زندہ دلی ہے
محبت بائرن کی بندگی ہے

مرے اندر ہے سردارِ محبت
مرا دل ہے سزاوارِ محبت
مرا فن ہے طلبگارِ محبت
مجھے کہتے ہیں فنکارِ محبت

☆☆☆

میں سمستی پور ہوں

گنگا مجھ کو چھو کے گزری ہے پٹوری کے قریب
نون اور وایا ندی کا منظر ہے کتنا عجیب

پانڑ، منگل گڑھ کبھی راجاؤں کی تھی سرزمین
زہن اسٹیٹ، بیلسنڈی کی تھی کیا دنیا حسین

کھدوم بی بی کا جو یہ کھودنیشور استھان ہے
ہوں مزار و مندر یکجا، یہ خدا کی شان ہے

میرے آنچل میں ہی کھدی رام نے لی تھی پناہ
گاندھی، نہرو کی ہوں آمد کی میں تاریخی گواہ

سرحدِ مشرق کو مغرب سے ملاتی ریل ہے
کشمیر و کنیا کماری تک یہ جاتی ریل ہے

کالج و اسکول ہیں ہر سو میرے پھیلے ہوئے
سائنس، کامرس، آرٹس، کے جگنو ہیں سب بکھرے ہوئے

آشیاں میں ہوں بھگت کا، رام اور بلرام کا
رج اندر آئی، اے سی حصہ ہے میرے نام کا

کھو گئی ہے آسماں میں آتما ٹیگور کی
وسطِ کاشی پور میں ٹھہرے تھے وہ دو دن کبھی

کیا لباسِ بوس کی تقریر کی للکار تھی
ہتھکڑے کے ٹوٹنے کی جے جے اور جھنکار تھی

ڈی، آر، ایم دفتر، قلم کاغذ پہ چلتا ہے جہاں
کارخانہ، لوہا اور فولاد ڈھلتا ہے یہاں

یہ سریہ کا علاقہ بھی بہت زرخیز ہے
کھیتوں میں تمباکو کی خوشبو نشہ انگیز ہے

لکھنو اور ممبئی کی سی مری رعنائیاں
دہلی، کلکتہ میرے خوابوں کی پرچھائیاں

مجھ کو پہچانو کہ میں ہوں شہرِ شمس الدین خاں
افضل و سرمست جلال پیر کا ہوں پاسباں

شہر کے چوراہے پہ اُڑتی ہوئی یہ تتلیاں
نوجوانوں کی اُدھر بڑھتی ہوئی وہ انگلیاں

شہر کی سڑکیں، ہزروں لوگوں کا جم غفیر
یہ دوکاں اور ریستوراں جیسے جنت کی نظیر

کھیتوں اور کھلیانوں میں سونا اگلتی ہیں زمین
شہر میں چاندی برستی ہے کہ چلتی ہے مشین

میتھلی و اردو و ہندی کا گہوارہ ہوں میں
بنگلہ، تامل، تیلگو، بجیکا کا گردوارہ ہوں میں

وہ کھڑی بولی ہے، جس کا مرکز و محور ہوں میں
سور، تلسی، پنت، دنکر کی زباں کا گھر ہوں میں

صوبے کے سینے پہ ایسا ہوں میں شیشے کا محل
جگمگاتے ہیں جہاں سدبھاؤنا کے صد کنول

کالی و ماتی، سریندر جھا، ارون و آرسی
اُدیانہ چاریہ، ودیاپتی، نند اور کیسری

چاند میرے ہند کے دھرتی کے میرے پھول ہیں
میتھلی کے، اردو کے، ہندی کے یہ مستول ہیں

بنگلہ کے اک مترِ بمل، جل منتر کا مسکن ہوں میں
ستیہ نارائن، کپوری کا بھی گھر آنگن ہوں میں

اس جگہ فرقہ پرستی اب دھمک سکتی نہیں
یہ زمیں وہ ہے، جہاں اگنی بھڑک سکتی نہیں

جب کہ بندے ماترم کی تھی صدا گونجی ہوئی
میں بھی اک شہرِ بغاوت اور شہادت تھا کبھی

عیسیٰ کا دستِ شفا ہے، ریلوے کا ہسپتال
نرس سب مریم صفت اور ڈاکٹر سب بے مثال

جسم ہوں ہندوستاں کا اور دلِ جمہور ہوں
میں ہوں مسکن شانتی کا، میں سمستی پور ہوں

☆☆☆

تاج محل

ساحلِ جمنا پہ مرمر کا حسیں تاج محل
اک شہنشاہ سے ممتاز کی چاہت کا بدل
سنگ کے روپ میں ڈھالی ہوئی بلقیس غزل
جیسے آکاش پہ کھلتا ہوا، اک چندر کنول

تاج کو دنیا میں فردوس کا ثانی کہیے
حسن اور عشق سے لبریز کہانی کہیے
اس کو دو چاہنے والوں کی نشانی کہیے
تحفۂ دردِ دلِ شاہجہانی کہیے

یہ دلِ شاہجہاں ہے جو ابھی زندہ ہے
صدیوں سے عالمِ فانی میں یہ پائندہ ہے
روحِ ممتاز کا یہ اب بھی نمائندہ ہے
کل بھی تابندہ تھا یہ آج بھی تابندہ ہے

حسرتِ مفلس و زردار ہے یہ تاج محل
جدت و ندرتِ فنکار ہے یہ تاج محل
وقت کا قیمتی شہکار ہے یہ تاج محل
فن کا اک آخری معیار ہے یہ تاج محل

دیدنی چاندنی شب میں ہے عمارت اس کی
خود خدا کرتا ہے دن رات حفاظت اس کی
آزری پا نہ سکے گی کبھی عظمت اس کی
فرش سے تا بہ فلک پہنچی ہے شہرت اس کی

اشک جب آنکھوں سے ٹپکا تو بنا تاج محل
حسن جب عشق سے روٹھا تو بنا تاج محل
آئینۂ دل کا جو ٹوٹا تو بنا تاج محل
موت کا تیر جو چھوٹا تو بنا تاج محل

تاج کو "دہر کا ناسور" نہیں کہہ سکتے
اس کو بے اجرتِ مزدور نہیں کہہ سکتے
اس کو خونِ دلِ مجبور نہیں کہہ سکتے
حاصلِ دیدۂ بے نور نہیں کہہ سکتے

کتنے بے کار تھے جو ہاتھ انہیں کام ملے
کتنے صناعوں کو صنعت کے عوض دام ملے
تھے جو انعام کے قابل، انہیں انعام ملے
اُن کو برسوں میں جو ملتے تھے، وہ اکرام ملے

وہ ایک شخص

ہر ایک دور کی تاریخ اُس کو ازبر ہے
وہ ایک شخص ہے یا علم کا سمندر ہے
وہ خسرو، غالب و اقبال، میر کا وارث
ہمارے شہر کا فیض و مجاز و اختر ہے
خطا کرے بھی تو دشمن کو بخش دیتا ہے
وہ اپنی ذات میں پورس نہیں سکندر ہے
جہاں کے ظلم و تشدد کی تیز آندھی میں
بساط دہر پہ وہ امن کا پیمبر ہے
بدن تو قطب ہے اور روح جیسے تاج محل
وہ اپنے قد کی رعایت سے اسٹیل ٹاور ہے
دماغ اس کا ہے جیسے کہ کوئی کمپیوٹر
رباعی، نظم و غزل اس کی اِس کی مظہر ہے
ہمنگوئے کے میں ناول کا بوڑھا ماجھی ہوں
نظر کے سامنے پھیلا ہوا سمندر ہے
وہ پریم چند کی کٹیا میں بیٹھی دھنیاں ہے
بدن کے واسطے بیدی کی میلی چادر ہے

جو ہوتے آج تو کہتا یہ ٹالسٹائی سے
جہاں میں جنگ کا انساں کا مقدر ہے
گدھوں کے نرغے میں سہما ہوا پرندہ ہے
خلائی جنگ ہے اور امن کا کبوتر ہے
بہت دنوں سے ستارا ہے میرا گردش میں
اگرچہ چاند اور سورج کا دل یہ محور ہے
ہے، میری آنکھوں میں رقصندہ وہ دسمبر بھی
مری نگاہ میں شنکر کا ایک اژدر ہے

وِش کنّیا

سُنہرے جسم اُجلے بال والی
وہ محبوبہ اِکاسی سال والی
شفق، قوسِ قزح جس کی وراثت
سبک، نازک سی خد و خالی والی
کنیزیں جس کی نرگس اور ثریا
بہت ہی چوکڑی چنڈال والی
بدن پہ جس کے کشمیری دو شالہ
قلوپطرہ وہ آمبا، آمرپالی
کروڑوں لوگوں کے دل کی وہ ملکہ
وہ وِش کنّیا گزشتہ سال والی
وہ ہے جو ڈائمنڈ ہوٹل کی مالک
وہ الفسٹن سینما ہال والی
وطن کی سب سے وہ خوشحال عورت
اشرفی جیسے وہ ٹکسال والی
زمیں پہ جیسے کوئی جل پری ہو
وہ مچھلی سونے کی اک جال والی

☆☆☆

وصیّت

ابھی تک دست و بازو ہیں سلامت
ابھی تک خون میں باقی ہے حدت
رضا اشکؔ اک ذرا خود کو سنبھالو
نئی جینے کی کچھ صورت نکالو
خدا را ترک کردو اب محبت
سمِ قاتل ہے یہ جاں لیوا عادت
بہت ہی قیمتی یہ زندگی ہے
مکرنا اس سے سمجھو خودکشی ہے
بہت ہی سخت دنیا کا سفر ہے
کہ جی لینا بہت دُشوار تر ہے
اُٹھو جاگو اور ہستی کو سنوارو
نگارِ فکر و فن کو تم نکھارو
تمہیں اس کی نہیں کوئی خبر ہے
تمہارے حق میں کیا شئے معتبر ہے
اکہتر سال کی اس زندگی میں
سرابِ شوق، شہرِ تشنگی میں

تمھیں کیا غیر کی نسواں سے مطلب
خطا کاری سے اور عصیاں سے مطلب
اٹھو خواب سحر سے اب بھی جاگو
ہزاروں غم ہوں تو پھر بھی نہ بھاگو
تمہاری اب بھی عصمت ہم سفر ہے
تمہارا جسم و جاں، قلب و جگر ہے
یہی مرحوم ماں کی التجا ہے
یہ میرا مشورہ حرف بجا ہے
مری تربت پہ تم کچھ گل چڑھا دو
مرے بیٹے، مرے نزدیک آؤ
تمہیں میں اپنے سینے سے لگالوں
تمہیں سو سال جینے کی دعاء دوں
مجھے شاید ہو تم اب بھول بیٹھے
اے میرے لاڈلے، اے پیارے بچے
مجھے تُربت پہ آکر یاد کرلو
بہت ناشاد ہوں، دل شاد کرلو
کبھی ابا کی بھی تُربت پہ جاؤ
کرو تم فاتحہ، ان سے دعاء لو
تصور ہی میں، میں ہوتی ہوں رخصت
تصور ہی ہے ہستی کی حقیقت

تصور ہی تو انساں کا خدا ہے
تصور ہی شعورِ کبریا ہے
ملائک، حور، جنت اور جہنم
سب ہیں کچھ اس طرح آپس میں مدغم
بیاں کرنے سے جن کے لب ہے قاصر
قلم چپ ہے، ہر اک مکتب ہے قاصر
تصور ما سوا اور ماورا ہے
نہیں کچھ بھی تصور کے سوا ہے

کیا مجھے پھر؟

کیا مجھے پھر تیغ بن جانا پڑے گا
کیا مجھے پھر شعلہ برسانا پڑے گا
کیا مجھے پھر نیزہ و خنجر اٹھا کر
دشمنوں کی صف میں گھس جانا پڑے گا

مجھ پہ پھر تیروں کی کیا بوچھار ہوگی
دشمنوں کی پھر سے کیا یلغار ہوگی
کیا قلم پہ میرے پھر پہرے لگیں گے
سر پہ میرے پھر سے کیا تلوار ہوگی

فن میں کیا گجرات دہرانا پڑے گا
میرٹھ و ملیانہ اپنانا پڑے گا
آب ہوں، کیا آگ بن جانا پڑے گا
بوند سے کیا جھاگ بن جانا پڑے گا

کیتھی کا باب بن جانا پڑے گا
گورکی کا خواب بن جانا پڑے گا
چشمۂ خوں ناب بن جانا پڑے گا
عالمِ اسباب بن جانا پڑے گا

رستم و سہراب بن جانا پڑے گا
پیکرِ داراب بن جانا پڑے گا

☆☆☆

ڈیوک اور ونڈسر

ہے مختصر یہ قصۂ ڈیوک اور ونڈسر
ٹھکرا دیا جس نے تختِ محبت کے نام پر

اے جذبِ عشق، تُو انہیں جھک کر سلام کر
اے شاعرِ جمال تو یہ نیک کام کر

میراثِ فن سنبھال، اٹھا اپنا یہ قلم
ایسی پھر ایک عشق کی کر داستاں رقم

جیسی کہ شیکسپیئر نے لکھی رومیو جولیٹ
اس داستاں کے گم شدہ اوراق پھر پلٹ

پھر حسن و عشق کا نیا اک باب کھول دے
پھر اس کتابِ زیست کو موتی سے رول دے

☆☆☆

شاہ و غلام

کیوں کر کہوں کہ راج بدلنا محال ہے
راون کے سر کا تاج بدلنا محال ہے

زنجیرِ آہنی بھی پگھلتی ہے آگ سے
کیسے کہوں سماج بدلنا محال ہے

جو کل بدل چکا ہے زمانے میں بارہا
کیسے کہوں وہ آج بدلنا محال ہے

چین و فرانس، روس ہیں اس بات کے گواہ
کیسے کہوں مزاج بدلنا محال ہے

یہ بات سرخ چین کے لشکر سے پوچھیے
کیسے کہوں کہ راج بدلنا محال ہے

زنجیر ٹوٹ سکتی ہے ملکار چاہئے
فکرِ بلیغ، جوہرِ کردار چاہئے

☆☆☆

دھاوا بول

بول جوانا، دھاوا بول
قاتل ہاتھ پہ، دھاوا بول

خونی رات پہ، دھاوا بول
اونچی ذات پہ، دھاوا بول
ذات اور پات پہ، دھاوا بول
ہر گجرات پہ، دھاوا بول

پونجی واد کی گٹھری کھول
راج سنگھاسن ڈانوا ڈول
بول جوانا، دھاوا بول

☆☆☆

سُمن کی طرح

(چترکار، میشور جین سُمن کی وفات پر)

زمینِ فکر پہ پھیلا تھا تو گگن کی طرح
ہر ایک صبح دمکتا رہا کرن کی طرح

تیرے ہی ہر دیے میں عرفانِ تیر تھنکر تھا
سدا کتھن تھا تتھاگت کے ہی وچن کی طرح

تو ایک سنگھ تھا، اک بزم اک ادارہ تھا
تو ایک فرد تھا، لیکن تھا سنگٹھن کی طرح

تو ایک پھول تھا جو کہ کھلا تھا کانٹوں میں
بکھر کے شاخ سے ہر دل میں ہے چمن کی طرح

تو ایک باغ تھا لیکن ہر ایک دامن میں
سگندھ اپنی لٹاتا رہا سمن کی طرح

تو اک شہید تھا، ہے لاش تیری گنگا میں
سلگ رہا ہے بدن تیرا اب اگن کی طرح

ہر ایک سمت اماوس کی رات چھائی تھی
مگر چمکتا رہا پھر بھی تو کرن کی طرح

☆☆☆

ساتھی سے

ساتھی دیکھو مت گھبرانا
جنگ چھڑے تو زور دکھانا
ہاتھ میں اک بندوق اُٹھانا
دشمن کی صف میں گھس جانا
مارنا ان کو یا مرجانا
دشمن کو مت پیٹھ دکھانا
ہار ہوئی تو غم مت کھانا
جیت ہوئی تو خوشی منانا
قصبہ قصبہ، قریہ قریہ
ساگر، ساگر، پربت پربت
امن کا پرچم ہاتھ میں لے کر
ساری دنیا پر لہرانا
ساتھی دیکھو مت گھبرانا

☆☆☆

کس کا ہے؟

دشت اور کوہسار کس کا ہے ؟
گلشنِ پُر بہار کس کا ہے؟

کس کے یہ کھیت، کارخانے ہیں؟
خانۂ زر نگار کس کا ہے؟

غلوں کی منڈی اور یہ سوت کے مل
سب پہ کُل اختیار کس کا ہے؟

ان پہ کچھ غاصبوں کا قبضہ ہے
بیش تر جابروں کا قبضہ ہے

چھین لو ان کو، اُن کے ہاتھوں سے
تم کو اب انتظار کس کا ہے؟

☆☆☆

پریم کے سپنوں کا ہندوستان

(پریم چند جینتی میں پڑھی گئی)

پریم کے سپنوں کا یارو کیا یہ ہندوستان ہے
آج بھی نردھن دُکھی ہے اور سکھی دھنوان ہے
تختِ شاہی پر ہے نالائق خدا کی شان ہے
جینا ہے مشکل یہاں مرنا بہت آسان ہے
جاہل افسر ہے یہاں عاقل یہاں دربان ہے
پریم کے سپنوں کا یارو! کیا یہ ہندوستان ہے

چھپتی ہے جھوٹی خبر ہر روز یہ اخبار میں
خوردنی اشیاء بہت سستی ہیں اب بازار میں
آگئی ہے کچھ گراوٹ ایٹمی ہتھیار میں
اب تو ٹاٹا برلا کو گھاٹا ہے کاروبار میں
آج بھی انسان کا دشمن یہاں انسان ہے
پریم کے سپنوں کا یارو! کیا یہ ہندوستان ہے!

دستِ سرمایہ میں اب بھی دامنِ جمہور ہے
بھوکا ننگا آج بھی دہقان اور مزدور ہے
سچی آزادی وطن سے اب بھی کوسوں دور ہے
کل جو گہرا زخم تھا وہ آج اک ناسور ہے
جسم کا سودا یہاں اب بھی علی الاعلان ہے
پریم کے سپنوں کا یارو! کیا یہ ہندوستان ہے!

آج بھی کٹیا میں اپنی بیٹھی ہے دھنیا اداس
ہوری کھیتوں میں چلا بیلوں کو لے کر بے بیاس
کھوٹا سکہ تک نہیں ہے آج بھی گوبر کے پاس
ڈھونڈتا ہے انگلیوں سے سچ کو اب بھی سورداس
مسجد و مندر کا جھگڑا ور چپ بھگوان ہے
پریم کے سپنوں کا یارو! کیا یہ ہندوستان ہے!

لعنتِ فرقہ پرستی کل جو تھی وہ آج ہے
اہلِ زر کی چیرہ دستی کل جو تھی وہ آج ہے
مفلسوں کی فاقہ مستی کل جو تھی وہ آج ہے
جھونپڑی جھگی کی بستی کل جو تھی وہ آج ہے
سینۂ انساں پہ جور و ظلم کا کرپان ہے
پریم کے سپنوں کا یارو! کیا یہ ہندوستان ہے

☆☆☆

لمحۂ فکریہ

یوں ہی جنوں جو رہا تجرباتِ ایٹم کا
ایلورا سانچی کے فن پہ بال آجائے
قطب اور لاٹ کے گرنے کا سال آجائے
پگوڈ گول گھر اہرامِ مصر تک نہ رہے
فنا کی زد میں یہ دھرپد خیال آجائے
اجنتا تاج پہ یکسر زوال آجائے

یوں ہی جنوں جو رہا تجرباتِ ایٹم کا
مکیں تو خیر مکیں ہیں، مکاں بھی مٹ جائے
یہ آسمان و زمیں، کہکشاں بھی مٹ جائے
یہ ہیر رانجھے کا افسانہ بے حقیقت ہو
یہ سائنس آرٹ یہ کلچر زباں بھی مٹ جائے
گرنتھ، بائبل، گیتا، قرآں بھی مٹ جائے

یوں ہی جنوں جو رہا، تجربات ایٹم کا
تو ہم کہیں گے یہ مغرور حکمرانوں کو
سمندروں میں وہ اپنے دھماکے بند کریں
نہ بھولیں مہر و محبت کی داستانوں کو
بنائیں جنگ کا محور نہ آسمانوں کو
بچالیں مرگِ مفاجات سے جہانوں کو

☆☆☆

راستے کی دھول

ہائے کل تک اشک اک فنکار کی حسرت تھی تو
سُورگ سے اُتری ہوئی دھرتی پہ اک عورت تھی تو
دُکھ بھرے سنسار میں سرچشمۂ عشرت تھی تو
اُف یہ کیسا المیہ ہے؟ آج اک تُربت ہے تو
اِک گلِ پژمردہ و بے رنگ و بے نکہت ہے تو

اب کوئی چادر لحد پر ہے اور نہ کوئی پھول ہے
مرمریں کتبے پہ تیرے راستے کی دھول ہے

☆☆☆

تلسی داس

سنت تلسی داس تھے سب سے بڑے ہندی کوی
سب کوی تھے چاند تارے ان میں تھے یہ اک روی
ان کی ہر دو پنکتیوں میں سانس لیتی ہے صدی
اب کبھی پیدا نہ ہو شاید کوئی ایسا کوی

رام کا بن باس ان کے کاویہ کا آدھار تھا
سیتا کا اِتہاس ان کے کاویہ کا آدھار تھا
راون کا وِناس ان کے کاویہ کا آدھار تھا
والمیکی بیاس ان کی کاویہ کا آدھار تھا

لوگ کہتے ہیں اگر ہوتے نہیں جو جانکی
سنت تلسی داس رامائن نہیں لکھتے کبھی
سور کے ہردے سے بھگتی رس کی نہ بہتی ندی
دنکر، جے شنکر نہ لکھتے اروشی "کا مائی"

جائسی کی پدماوت ہر کاویہ میں شہکار ہے
جائسی کی پدماوت اک پریم کا سنسار ہے
جائسی کی پدماوت سوندریہ کا سنگار ہے
جائسی کی پدماوت میں درد کی جھنکار ہے

ان سے پہلے بھی کوی کتنے یہاں آئے گئے
منچ اور پستک سے وہ پڑھوائے، لکھوائے گئے
راجوں مہراجوں کے درباروں میں وہ گائے گئے
مسندِ عظمت پہ ان میں کون بیٹھائے گئے؟

آپ ان کی چتنی ہی رتنا تھی ان کی پریرنا
ایک آدھی رات کی گھٹنا تھی ان کی پریرنا
واسنا اور پریم کی ترشنا تھی ان کی پریرنا
ایشور روپی رام اور سیتا تھی ان کی پریرنا

ہند کی سیما سے بھی اونچی تھی ان کی کلپنا
گنگا کی لہروں کی سی چنچل تھی ان کی بھاونا
گیان کے ساگر سے تھی وسترت ان کی چیتنا
چھو نہیں سکتی ہے ان کے کاویہ کو آلوچنا

کاویہ میں تلسی کے بس جیون کا اتنا سار ہے
دھرتی پر مانو نہیں تو رکت یہ سنسار ہے
شترؤں سے یدھ کرنا سویم پر اپکار ہے
پیار کی دھرتی پر اس سنسار کا آدھار ہے

☆☆☆

ظلمت اکیڈمی

(پتھروں کی رہگذر کی قیمت طلب کرنے پر ایک پرنسپل کے ناروا سلوک پر)

اک شخص اشک بانی ظلمت اکیڈمی
سر سید زمانی ظلمت اکیڈمی
سعدی گلستانی ظلمت اکیڈمی
ثانی اصفہانی ظلمت اکیڈمی

چندہ کرا کے گاندھی و نہرو کے نام پر
کھولی ہے درسگاہ خطِ بوالکلام پر

دولت کے زعم میں وہ کچھ ایسا بگڑ گئے
کل اک محاذ پر کسی شاعر سے لڑ گئے
غیظ و غضب کے جوش میں کر جھگڑ گئے
گردن پہ ہاتھ اٹھا کے مصیبت میں پڑ گئے

رشدی چھپا ہوا تھا خمینی کے بھیس میں
خچر کہاں سے آگیا گھوڑے کے ریس میں

کہتے ہیں ان کے سر میں سیاست کا بھوت ہے
نقلی سند کی ان میں تجارت کا بھوت ہے
قوم و وطن کی ان پہ قیادت کا بھوت ہے
اعصاب پر سوار وزارت کا بھوت ہے

دکھلا دیا انہوں نے الیکشن میں ہار کے
''لو جارہا ہے کوئی شب غم گزار کے''

ہر چند دے نہ پائے تھے قیمت کتاب کی
پھر بھی تو کر گئے وہ ہزیمت کتاب کی
معلوم کچھ نہیں انہیں عظمت کتاب کی
بچوں کو اس کے ہوگی ضرورت کتاب کی

اک کھیل یہ نہیں ہے قلم اور دوات کا
پتھر کی رہ گزر ہے صحیفہ حیات کا

اک مصحفِ جمیل ہے ''پتھر کی رہ گزر''
حق بات کی دلیل ہے ''پتھر کی رہ گزر''
قربانیِ خلیل ہے ''پتھر کی رہ گزر''
دانش کا سنگِ میل ہے ''پتھر کی رہ گزر''

صحرا میں یہ اذانِ بلالؓ عظیم ہے
فرعون کے لئے یہ عصائے کلیم ہے

شاعر پہ ہاتھ اٹھائے وہ غنڈہ نہیں تو کیا
شہداء نہیں وہ لُچا لفنگا نہیں تو کیا
وہ بانیِ فساد اور دنگا نہیں تو کیا
شُرفا کے اس حمام میں ننگا نہیں تو کیا

جو بے قصور ہیں وہی جاتے ہیں جیل میں
حکام کیوں نہیں اسے رکھ دیتے سیل میں

شمر و یزید کی سی شقاوت پہ احتجاج
ابنِ علی کی زندہ شہادت پہ احتجاج
لوگو، رسولِ فن کی مذمت پہ احتجاج
اے شہر، اب ادیب کی ذلت پہ احتجاج

آخر سلوکِ ناروا کب تک ادیب سے
"آواز دے رہے ہیں پیمبر صلیب سے"

امن اور اہنسا واد کی سرکار سے کہو
مجروح، کیفی، وامق و سردار سے کہو
بدر و حسن کمال کے افکار سے کہو
دنیا کے اشک سارے قلم کار سے کہو

مظلوم ان میں کون ستمگار کون ہے
جلاد کون اور سرِ دار کون ہے

سرحد پہ بم گرانا جو آتنک واد ہے
سینے پہ گن اٹھانا جو آتنک واد ہے
سرکار کو ڈرانا جو آتنک واد ہے
پبلک کا گھر جلانا جو آتنک واد ہے

شاعر پہ ہاتھ اٹھانا بھی آتنک واد ہے
آنکھیں اسے دکھانا بھی آتنک واد ہے

منصور کی انا ہے قلم کار کا قلم
حلاج کی صدا ہے قلم کار کا قلم
جبرئیل کی دعاء ہے قلم کا کا قلم
احساس کی ضیاء ہے قلم کار کا قلم

تیشے کی جنگ، سنگِ بتِ سومنات سے
فردوسی قتل ہوتا ہے غزنی کے ہات سے

ہرونش رائے بچن

سونا ہے من کا آنگن
ٹوٹا پڑا ہے کنگن
بھڑکی ہے چتا کی ایندھن
رخصت ہوئے جہاں سے
ہرونش رائے بچن

تیجی کی آنکھیں جل تھل
امیتابھ غم سے پاگل
اجیتابھ دکھ سے بے کل
غمگیں ہے سارا بھارت

ابھیشیک دکھ کا بادل
کھلتی ہے لے "ساٹھ پستک"
دی ہے ہوا نے دستک
اس یگ کا تار سپتک
کچھ پڑھ لیا ہے ان میں
مرتیو کانت ہے مستک

ا؎ ساٹھ کتابیں بچن نے لکھی تھیں۔

جوہو پہ اک چتا ہے
تن شیش ہو چکا ہے
اب کچھ نہیں بچا ہے
نشور شریر سب کا
بس جیوت ٹمٹما ہے

اے آفتاب سنگم
اے ماہتاب سنگم
سُن اے سحاب سنگم
تو "میگھ دوت" بن کر
ڈھونڈ اب گلاب سنگم

☆☆☆

تصویرِ یاس

باغِ پیرس کہ جنتِ کشمیر
ہوگئے حزن و یاس کی تصویر
ملک برطانیہ تباہ ہوا
چند لمحوں میں خانقاہ ہوا
ہند و پاک، مصر، روس اور جاپان
بن گئے جیسے حشر کا میدان
بحرِ احمر میں آ کے آلپس لڑا
ماؤنٹ ایوریسٹ بن گیا صحرا
ایفل ٹاور، پیگوڈا، تاج محل
کھا گیا ان کو جنگ کا بادل
ہیرو شیما پہ پھر گرا اٹیم
ناگا ساکی کا جل گیا پرچم
ایک ہی بم سے اڑ گیا جرمن
سارا جاپان بن گیا فن
بھاپ بن بن کے اڑ گئے قطبین
اور دھوئیں میں بدل گئے کونین

مٹ گئے یوں فلسطیں، اسرائیل
ان پہ آکر گرا ہے میزائیل
وید، اِنجیل، اور پُران مٹے
میر، غالب کے قدردان مٹے
فلسفہ، سائنس، آرٹس، شعر و ادب
مٹ گئے دفعتاً یہ سب کے سب
بجھ گئے ہیں چراغِ دیر و حرم
لٹ چکی ہے متاعِ لوح و قلم
سلطنت اور تخت و تاج مٹے
ملکیت شاہ اور سماج مٹے
صدیوں، اربوں کا کھیل ختم ہوا
بستی کا ریل پیل ختم ہوا
ہے فضا ساکت اور ہوا خاموش

☆☆☆

عورت، حکومت، قلم اور خدا

میں ایک اعلیٰ ریٹائرڈ افسر کو جانتا ہوں
میں ان کی عادت کو اور فطرت کو جانتا ہوں
میں اُن کے گھر کی ہر یک عورت کو جانتا ہوں

انہیں ہے کس چیز کی ضرورت
میں اس ضرورت کو جانتا ہوں
ہے ان میں کتنی حیا و غیرت
میں اس حقیقت کو جانتا ہوں

میں ان کی عظمت کو شان و شوکت کو جانتا ہوں
میں کل تک ان کی بلند عمارت سے آشنا تھا
اب ان کی تربت کو جانتا ہوں

حکومت

میں اس حکومت کو جانتا ہوں
جو کھیل جمہوریت کے پردے میں چل رہا ہے
میں اس سیاست کو جانتا ہوں
جو معبدوں کے تئیں دلوں میں رواں دواں ہے
میں اس محبت کو جانتا ہوں
جو تاج اور تخت کے لبادے میں تن سجا ہے
میں اس کی چاہت کو جانتا ہوں

تیسری جنگ

تیسری جنگ ہر سو جاری ہے
موت کا غم بشر پہ طاری ہے
زندگی پڑگئی ہے خطرے میں
یہ صدی پڑگئی ہے خطرے میں
روس اب مرگ کے حصار میں ہے
چین آگ اور لہو کی دھار میں ہے
آگ اُگلنے لگا ہے امریکہ
دھوں دھوں جلنے لگا ہے افریقہ

☆☆☆

میرا تعارف

(۱)

میں خود اپنے شہر میں گمنام ہوں
ہند و پاکستان میں بدنام ہوں
میرؔ، غالبؔ کیا کہ ساحرؔ بھی نہیں
کیوں کہوں میں حافظؔ و خیامؔ ہوں
ریلوے میں ادنیٰ سا نوکر تھا میں
پنشنر، منجملۂ خدام ہوں
روشنی کا کل میں اِک مینار تھا
ٹمٹماتا اب چراغِ شام ہوں
کل تھا میں اک رند، جانِ میکدہ
آج آوازِ شکستِ جام ہوں میں

(۲)

صاحبِ ثروت سہی، میرا وجُود
آدمی میں ایک بالکل عام ہُوں
لوگ کہتے ہیں تو کہنے دیجئے
صاحبِ اعزاز و الاکرام ہوں
مجھ کو لگتی ہے دُعائے دشمنان
کامیابِ شوق، ہر ہر گام ہُوں

جانے کس کی فکر کا مرکز ہوں میں
کیا پتہ، کس شخص کا انعام ہوں
اشک! مجھ میں کون سا ہے ایسا وصف
کس لئے میں، لائقِ انعام ہوں

(۳)

دوستوں کے لب پہ اک دشنام ہوں
حاصلِ آغاز جس کا کچھ نہیں
میں اسی آغاز کا انجام ہوں
ڈھل چکا ہے مہر سا صبحِ شباب
آہ اب میں زندگی کی شام ہوں
کچھ نہیں، میں کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں
زندگی میں اک خیالِ خام ہوں میں

☆☆☆

رضا اشکؔ

یہ کیسی اَنہونی ہُوئی کل رات، رضا اشکؔ
ایک شخص نے کی مجھ سے عجب بات، رضا اشکؔ
کیوں آپ کو مَرغوب ہے بس نظم نِگاری؟
کیا آپ رَقم کرتے ہیں قطعات؟ رضا اشکؔ
قامت میں تو یہ جوشؔ کی نظموں سے بڑی ہیں
چھوٹی ہے مگر آپ کی اوقات رضا اشکؔ
میں نے یہ کہا اُن سے کہ اے حضرتِ والا
لکھتا ہے ہوا حمد و مناجات، رضا اشکؔ
دنیا کی کوئی چیز وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ
کر لیتا ہے تعمیر امارات رضا اشکؔ
قبلہ یہ ابھی آپ کو معلوم نہیں ہے
اک ذات کے اندر ہے چھپا سات رضا اشکؔ
یہ باتیں سنی میری تو کہنے لگے موصوف
لو کردیا تم نے تو مجھے مات رضا اشکؔ
اللہ کرے آپ کی ہو اور بھی شہرت
لکھتے رہو دن رات رضا اشکؔ

☆☆☆

سینا اٹھی ہے بندر کی

جہاں جہاں پہ بھی مسجد بنی ہے بابر کی
وہاں وہاں پہ ہو بنیاد ایک مندر کی
پھر اس کے بعد ہی تاج و قطب کی باری ہو
رہے وطن میں نہ اولاد کوئی اکبر کی
یہ نعرہ سن کے میں ششدر کھڑا ہوں رستے میں
خدایا! خیر ہو میرے وطن کے لیڈر کی
یہ دن دہاڑے جو ٹوٹا ہے قہر شہروں پر
لبِ خموش، دُہائی خدائے محشر کی
یہ قہر جانب سنسد بھون بھی جائے گا
زبان بند رہی گر ہر اک منسٹر کی
جلا کے سونے کی لنکا کو راکھ کردے گی
مرے وطن میں جو سینا اٹھی ہے بندر کی
بہت ہی ملتی ہے خصلت میں یہ سکندر سے
پنپ رہی وطن میں جو فوج ہٹلر کی
یہ قلب دلی میں پیوست ہوکے دم لے گی
کچھ اور تیز جو ہوجائے دھار خنجر کی

کسے پتہ کہ یہ راونؔ کی کنسؔ اولاد
لہو کی پیاسی ہو اکبرؔ کی اور اصغرؔ کی

زمیں سے تا بہ فلک ایک شور برپا ہے
سڑک پہ ریلی ہے بپھرے ہوئے سمندر کی

ابھی یہ قصۂ کرب و بلا تک آئے ہیں
ہے انتظار انھیں ذوالفقارِ حیدرؔ کی

☆☆☆

قطعات

قطعات

دہر میں قیمتی فنکار کا فن ہوتا ہے
کِس لئے چشمِ تمنا سے لہُو رُوتا ہے
قطرۂ اشک نہیں، موجِ تبسّم ہے حیات
کِس لئے تخمِ الم، زیست میں تُو بوتا ہے

☆☆☆

اِک سُوزِ بن کے سب کے دلوں میں اُتر گیا
اِک خوابِ تابناک، نگاہوں میں بکھر گیا
مرکر اَمر ہے اب بھی وُہ اپنی کتاب میں
تم یہ سمجھ رہے تھے کہ فنکار مَر گیا

☆☆☆

کروڑوں لوگ جو دنیا میں بھوکے رُوتے ہیں
لہُو سے اپنے رئیسوں کے پاپ دُھوتے ہیں
مگر یہ سچ ہے، یہ تاریخ اِس کی شاہد ہے
اُنہیں کے دم سے بپا انقلاب ہُوتے ہیں

☆☆☆

یا تُو سب نے مجھے کاغذ کا کھلونا سمجھا
یا کسی نے مرے ہونے کو نہ ہونا سمجھا
میں غزل ہوں، مرے افکار کی دنیا ہے وسیع
ناسمجھ لوگوں نے ہنسنے کو بھی رونا سمجھا

☆☆☆

کبھی نہیں کسی افسر کا احترام کیا
نہ تُو کبھی کسی نیتا ہی کو سلام کیا
اگرچہ ریل میں ادنیٰ سا اِک ملازم تھا
مزاجِ وقت کا خود کو نہیں غلام کیا

☆☆☆

سخت دُشوار رہ گزر ہے میاں
زندگی آگ کا سفر ہے میاں
آپ منزل کی بات کرتے ہیں
آپ کو اس کی کیا خبر ہے میاں

☆☆☆

پتھروں کی یہ رہ گزر ہے میاں
شرِ تیشہ کا سفر ہے میاں
جو کہ جاتی ہے قصرِ شیریں تک
نہر، وہ سعی کارگر ہے میاں

☆☆☆

غزل لکھنے کی فرمائش ہوئی ہے
قلم سَر کرنے کی خواہش ہوئی ہے
لہُو کی آگ سے مقتل ہے روشن
چراغِ سَر کی آرائش ہوئی ہے

☆☆☆

سُور اور تُلسی داس ہو جائے
والمیکی، و بیاس ہو جائے
کیا ضروری ہے کہ محبت میں
آدمی، دیوداس ہو جائے

☆☆☆

اشک! مجموعہ کے ہر صفحہ پہ اِک تصویر ہو
اور ہر تصویر پہ اِک اِک غزل تحریر ہو
چاہے وُہ تصویر اِک عورت کی ہو یا مرد کی
ہتھکڑی ہاتھوں میں اُس کے، پاؤں میں زنجیر ہو

☆☆☆

چاند نکلا تو روشنی نہ ہوئی
عید آئی تو کچھ خُوشی نہ ہوئی
گھر نہیں تھ، کوئی بیاباں تھا
دوست آئے تو دل لگی نہ ہوئی

☆☆☆

ایسی لڑکی سے بیاہ کون کرے
زندگی کو تباہ کون کرے
جس میں سیرت ہو اور نہ صورت ہو
ایسی ہستی کی چاہ کون کرے

☆☆☆

جہاں کے عیش کو، عشرت کو لات ماردیا
تمام دہر کی دولت کو لات ماردیا
عطا ہوئی جو قلم بیچ کر حکومت سے
ہر ایسی شہرت وعظمت کو لات ماردیا

☆☆☆

قلم میں آگ کی حدت نہیں ہے!
لہو میں بھوک کی شدت نہیں ہے
بہت فنکار کی شہرت ہے لیکن
کسی فن کی کوئی اُجرت نہیں ہے

☆☆☆

کہتے ہیں مرے شعروں میں اسقام بہت ہیں
میں چپ ہوں، یہاں حافظ وخیام بہت ہیں
میری طرح کس کس کو یہاں ملتی ہے شہرت
اِس شہر میں، میرے ابھی ہم نام بہت ہیں

☆☆☆

خود کو نہ کبھی اشکؔ، میں اُستاد لکھوں گا
لکھنا ہے تو پھر، مانی و بہزاد لکھوں گا
برہم ہیں تو برہم رہیں، یہ خسرو و پرویز
فرہاد تھا، فرہاد ہوں، فرہاد لکھوں گا

☆☆☆

تخلِ زر جب کہ بارآور ہو
علم کی ٹہنی، ٹوٹ جاتی ہے
لکشمی، جس کے پاس ہوتی ہے
سرسوتی، اُس سے چھوٹ جاتی ہے

☆☆☆

لکھتا ہے، مری نظم کا عنوان غلط ہے
کل مجھ سے کہیں گے، مرا دیوان غلط ہے
یہ لوگ ہیں وہ جو کہ خدا کے رہے منکر
کل تک یہی کہتے تھے کہ قرآن غلط ہے

☆☆☆

میں تخت وتاج وحکومت خرید سکتا ہوں
نظامِ زر کی معیشت خرید سکتا ہوں
یہ میرے کاسے میں، جمہوریت کی دولت ہے
میں گاندھی، نہرو کی عظمت خرید سکتا ہوں

☆☆☆

تُو مُجھ کو، جُرأتِ صدّام دے دے
کسی ناصر سا، کوئی نام دے دے
مِرے دل کی زمیں ہے، ویتنامی
تُو رُوحِ مصر، جسمِ شام دے دے

☆☆☆

سمندر کی صدا، میں بن گیاہُوں
جزائر کی ہوا، میں بن گیاہوں
پُکارا ہے، فرات ونیل نے جب
تو مُوسیٰ کاعصا، میں بن گیاہُوں

☆☆☆

وَلی وپیر وپیغمبر، کہاں ہیں
خُدا اور دَاور محشر، کہاں ہیں
وُہ ابراہا اُٹھا پھر فیل لے کر
اَبابیلوں کے وُہ لشکر، کہاں ہیں

☆☆☆

سُنہرا حادثہ ہُونے سے پہلے
زُرو پہلا سلسلہ ہُونے سے پہلے
حیا سے، خاک میں مِل جائے عورت
کسی کی داشتہ ہُونے سے پہلے

☆☆☆

قلم کی اور یہ تلوار کی لڑائی ہے
نظامِ فکر ہے، کردار کی لڑائی ہے
یہ پریم چند کے افسانے کی حقیقت ہے
کسان اور زمیندار کی لڑائی ہے

☆☆☆

مرے قلم میں ہے خُونِ جگر، سیاہی نہیں
مرا قلم، سگِ دربارِ بادشاہی نہیں
مرے قلم میں ہے فریاد اِک فریدوں کی
مرا قلم، کسی ضحاک کا سپاہی نہیں

☆☆☆

مرے آقا، مرے ہمدم، مرے سرتاج لِکھ دینا
جو لِکھنا ہو مجھے فوراً، ابھی اور آج لِکھ دینا
تُم اپنے پاس رکھنا سارے ہندُستان کی دولت
مرے حصّہ میں دلّی کا یہ تخت وتاج لِکھ دینا

☆☆☆

منکرِ شاہ و تخت و تاج ہُوں میں
باغیِ انسان کا، مزاج ہُوں میں
میری ہر جنگ، اہلِ زر سے ہے
پیکرِ عزم و احتجاج ہُوں میں

☆☆☆

جو تُم ملیں تو تُمہیں اِتنا پیار دِے دُوں گا
یہ پھُول، جھرنے، چمن، آبشار، دِے دُوں گا
رَواں دَواں ہیں جو آنکھوں سے وادیٔ دل تک
تُمہیں وُہ سات (۷) سمندر اُدھار دِے دُوں گا

☆☆☆

سَو بلا، زندگی پہ بیتی ہے
سَو قیامت، صدی پہ بیتی ہے
میں وہی داستان لکھتا ہوں
جو کہ ہر آدمی پہ بیتی ہے

☆☆☆

ظُلم کی داستان، لِکھ دِینا
کربلا کا بیان، لِکھ دِینا
اشک! شطِ فرات کے بدلے
شہرِ ہندوستان، لِکھ دینا

☆☆☆

تُم کو بَس، اپنی ذات کا غم ہے
ایک اپنی حیات کا غم ہے
اشک! میں ٹھہرا شاعرِ آفاق
مُجھ کو اِس کائنات کا غم ہے

☆☆☆

حُسن، پھر مہرباں رہے نہ رہے
عشق، پھر شادماں رہے نہ رہے
کیا خبر، کل جہاں رہے لیکن
زیست کا کارواں، رہے نہ رہے

☆☆☆

چاندنی رات، پھر ملے نہ ملے
حُسن کا ساتھ، پھر ملے نہ ملے
تُم مرا ہاتھ تھام لو، ورنہ
عشق کا ہاتھ ، پھر ملے نہ ملے

☆☆☆

جنگ کی نذر ہوئے، کتنے مُجاہد، لکھنا
کتنے معصُوم ہیں بمباری پہ شاہد، لکھنا
فوج ہاری ہے کہ جیتی ہے نہیں اس سے غرض
کیا ہیں اربابِ سیاست کے مقاصد لکھنا

☆☆☆

مکان دے کے مُجھے بے مکان کر دے گی
یہ زندگی، مُجھے بے آسمان کر دے گی
یہ چھین لے گی مرا زورِ ناطقہ، مُجھ سے
زبان رکھتے ہوئے ، بے زبان کر دے گی

☆☆☆

سیتا اُسے پکاریں کہ مریم کا نام دیں
تصویر سی خموش ہے، مورت سی مَون ہے
ساڑی سیاہ چمکتی ہے کیا اُجلے گون پر
پوچھیں بھلا یہ کِس سے کہ آخر وہ کون ہے

☆☆☆

وہ پیسے کی زباں سے بولتا ہے
وہ پیسے سے سخن کو تولتا ہے
اگر خالی ہوئی اُس کی تجوری
غریبوں کی وہ گٹھری کھولتا ہے

☆☆☆

نظاروں سے جسے اُلفت نہیں ہے
وہ شاعر، شاعرِ فطرت نہیں ہے
غزل میں جدّت و ندرت ہے لیکن
تخیّل میں کوئی رفعت نہیں ہے

☆☆☆

وہ کہتے ہیں کہ جیل کا آکار بڑھاؤ
چھوٹے ہیں بہت، یہ درودیوار بڑھاؤ
یہ دیش کی جنتا جو ہوئی جاتی ہے سرکش
سَر کو جو قلم کردے وہ تلوار بڑھاؤ

☆☆☆

حسرت سے پھر تُو یہ درودیوار دیکھ لے
مُضطر ہے کتنی روحِ قلم کار دیکھ لے
آئی ہے کیسی شام کہ چُولھا نہیں جَلا
اَے زندگی! تُو قسمتِ فن کار دیکھ لے

☆☆☆

بڑا گراں ہے، نہ گنجِ خطیر بیچا کر
ملے بھی تاج، نہ دِل اور ضمیر بیچا کر
تجھے ہے عظمتِ میرؔ و نظیرؔ کی سَوگند
ہو سَر قلم بھی، نہ ہرگز سَریر بیچا کر

☆☆☆

جدید طرزِ رہائش کے ہم شکار ہوئے
کُھلے بدن کی نُمائش کے ہم شکار ہُوئے
کسے بتائیں بھلا اِک رَذیل عورت کی
بَس، اِک ذلیل سی خواہش کے ہم شکار ہوئے

☆☆☆

جو بِک سکا نہیں، سَرِ بازار مَر گیا
جو جُھک سکا نہیں، سَرِ دربار مَر گیا
بَاحالِ غم زدہ جو خوشی بانٹتا رہا
میں نے سُنا ہے آج وہ فن کار مَر گیا

☆☆☆

رکھتا تھا شاعری کا جو رُجحان ، مر گیا
دل میں سمیٹے درد کا طوفان، مَر گیا
یہ کیسا واقعہ ہے کہ رُوٹی کے واسطے
نبّاضِ وقت، صاحبِ دیوان، مر گیا

☆☆☆

چاند سے آؤ، چاندنی مانگیں
کچھ ستاروں سے، روشنی مانگیں
بیٹھ کر ساحلِ سمندر پر
صوت انگیز، خامشی مانگیں

☆☆☆

تاثرات

ادب کو سماج یا مقصدیت سے ہم آہنگ کرنے کی وکالت بیسویں صدی کے اوائل سے ہی ہونے لگی تھی مگر اس کو زبردست حمایت ترقی پسند تحریک سے ملی۔ بلاشبہ اس سے ادب اور سماج کا رشتہ گہرا تر ہو گیا مگر نری مقصدیت پسندی نے ادب و فن کی روح کو بڑا نقصان پہنچایا۔ البتہ اعتدال پسند ترقی پسندوں نے فن اور مقصدیت کے درمیان حسنِ امتزاج پیدا کر کے شاعری کے جسم پر مقصد کا جاذب نظر لباس ڈال دیا جو جزو روح بن گیا۔ فیض نے اردو شاعری کو ایسا ہی ملبوس عطا کیا۔ لہٰذا ان کی شاعری اور وہ خود ابدیت کے حامل بن گئے۔

رضا اشک ترقی پسندوں کی اس جماعت سے منسلک ہیں جو شاعری کے سانچے کو فن تصور کرتے ہیں اور اس میں خیال کا سیال مادّہ انڈیلتے ہیں۔ اگر یہ مادّہ سیالیت آمیز ہوتا ہے تو فکر برہنہ نہیں ہو پاتی ہے ورنہ فکر کھردری ہو جاتی ہے۔

مرتبین ڈاکٹر عبدالقادر اور کائنات آفرین روحی نے بڑی جاں فشانی اور عرق ریزی کے ساتھ چٹ پُرزوں پر لکھے کلام کو یکجا کیا ہے اور انہیں حسنِ ترتیب سے آراستہ کر کے کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے مرحلے سے گزارا ہے نیز حتی المقدور انہیں وزن و وقار کے ساتھ طباعت کرانے کی ٹھانی ہے۔ ڈاکٹر عبدالقادر نے تو اپنے تحقیقی مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کا عنوان بھی رضا اشک کو ہی بنایا تھا جو ''رضا اشک کی شعری جہتیں'' کے عنوان سے (بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ کے مالی تعاون سے) شائع بھی ہو چکا ہے۔ البتہ عزیزہ کائنات آفرین روحی اس دشت کی سیاحی میں نو وارد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سے قبل ان کا مضمون معروف صحافی غلام سرور کے صحافتی اور ادبی نظریے سے متعلق 'زبان و ادب' کے وسیلے سے نگاہوں سے گزرا ہے جس سے ان کے نقطۂ نگاہ اور زبان و بیان کی اٹھان کا اندازہ ہوتا ہے۔ دونوں مرتبین مبارک باد کے قابل ہیں کہ انہوں نے ایوانِ ترقی پسندی کے آخری ڈھتے رہے ستون کو ایستادہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔

مرتبین نے بالکل درست کہا ہے کہ میر نے خواص پسندی کے ساتھ ساتھ عوام پسندی کو ملحوظ نظر رکھا تھا مگر رضا اشک تو ایسے عوام پسند بنے کہ ''گفتگو بس مجھے عوام سے ہے'' پر اکتفا کر لیا اور اپنی شاعری کو عمومیت پسندی کے زینے سے نیچے تک پہنچا دیا جہاں سے سطحیت کا زینہ شروع ہوتا ہے۔ توقع ہے کہ مرتبین رضا اشک کے شعری مجموعہ کو دیوناگری رسم خط میں شائع کر کے لائق پذیرائی بنا دیں گے۔

ڈاکٹر حسن رضا

مدیر ''اصنافِ ادب'' (مظفر پور)

☆☆☆

ARZ-E-MATA-E-AQAL

(A Collection of Ghazals & Nazms)

by

Raza Ashk

Edited by

Dr. Abdul Quadir

Kainat Afreen Roohi

Kainat Afreen Roohi

Dr. Abdul Quadir

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
www.ephbooks.com

978-93-5073-658-6

₹ 250.00